مکتوباتِ عبدالعزیز خالد

ترتیبِ متن و تحشیہ

عبدالعزیز ساحر

ادارۂ یادگارِ غالب ○ کراچی

مکتوبات عبدالعزیز خالد

ترتیب متن و تحشیہ
عبدالعزیز ساحر

ادارۂ یادگارِ غالب ○ کراچی

سلسلۂ مطبوعاتِ ادارۂ یادگارِ غالب

شمار: ۹۸

سالِ اشاعت: ۲۰۱۷ء

طابع: احمد برادرز ناظم آباد کراچی

قیمت: ساڑھے تین سو روپے

☆

ادارۂ یادگارِ غالب و غالب لائبریری

پوسٹ بکس: ۲۲۶۸، ناظم آباد، کراچی۔۷۴۶۰۰

فون: ۳۶۶۸۶۹۹۸

استادِ گرامی

ڈاکٹر سید معین الرحمٰن

[م ۱۵/ اگست ۲۰۰۵ء]

کی

یاد

میں

تو مری ماں ہے؛ مرا باپ؛ مرا مرشد بھی
اک تری ذات سے وابستہ ہیں رشتے کتنے

اراکینِ مجلس عاملہ

ادارۂ یادگارِ غالب، کراچی

(نومنتخبہ ۲۴ رستمبر ۲۰۱۶ء)

ڈاکٹر ذوالقرنین احمد (شاداب احسانی)	صدر
سید صبیح الدین صبیح رحمانی	نائب صدر
ڈاکٹر رؤف پاریکھ	معتمد
ڈاکٹر تنظیم الفردوس	نائب معتمد
عزیز منصور	خازن
پرویز علی	رکن
سید عابد رضوی	رکن
سید معراج جامی	رکن
محمد جاوید ایڈووکیٹ	رکن
محمد حمزہ فاروقی	رکن
یاسمین سلطانہ فاروقی	رکن

فہرست

عبدالعزیز خالد کے لیے ایک نظم

ابوالکلام بھی تو ہے ابوالمعانی بھی
دیارِ شعر میں تیری ہے حکمرانی بھی

ورائے لفظ بھی حسنِ کلام رکھتا ہے
درونِ لفظ میں ہوتی ہے اک کہانی بھی

ترے خیال کی خوشبو میں سانس لیتے ہیں
طلسمِ لفظ بھی، گنجینۂ معانی بھی

تمام اہلِ سخن جان و دل سے مانتے ہیں
زباں شناسی بھی تیری، زبان دانی بھی

تری متاعِ تخیل سے پھول چنتے ہیں
طلسمِ خواب بھی اور خواب کی کہانی بھی

وہ تیرے حسنِ تخیل کے سامنے ہیں خجل
نگار خانۂ بہزاد اور مانی بھی

میں کس طرح ترے حسنِ کمال تک پہنچوں!
کہ اِس مقام پہ درماندہ ہے قاآنی بھی

طریقِ شعر میں تجھ سے ہی میری بیعت ہے
جبھی تو حسنِ قلم میں ہے یہ روانی بھی

میں ایک عمر سے ہوں تیرے راستے کا غبار
پہ مجھ سے بڑھ کے کہیں عفتِ موہانی بھی

عبدالعزیز ساحر

رؤف پاریکھ

تقدیم

عبدالعزیز خالد کا شمار بجا طور پر ہمارے ان شعرا میں ہوتا ہے جو زبان، لغت، عروض، بیان، بدیع اور تنقیدی مباحث پر بھی عبور رکھتے تھے۔ اُردو، عربی، فارسی، انگریزی اور پنجابی زبانوں پر اور ان کے ادب پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔

پروفیسر ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر صاحب اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں کہ انھیں عبدالعزیز خالد صاحب سے بالمشافہہ ملاقات کے علاوہ ان سے نصف ملاقات کی بھی نعمت میسّر تھی یعنی خالد صاحب ساحر صاحب کو خطوط بھی لکھا کرتے تھے۔ یہ خطوط اہم علمی، ادبی ولسانی مباحث سے بھرپور ہیں۔ ان خطوط میں موجود مباحث عبدالعزیز خالد صاحب کی علمی وجاہت اور مرتبے کا ثبوت ہیں۔ ساحر صاحب کے سوالات کے جواب کے طور پر خالد صاحب کی جانب سے لکھے گئے خطوط میں بعض نکات ایسے ہیں کہ شاید ہی کسی کتاب یا لغت میں مل سکیں۔

ہماری خوش قسمتی ہے کہ ساحر صاحب نے نہ صرف ان قیمتی خطوط کو محفوظ رکھا بلکہ ہمارے استفادے کے لیے انھیں مرتب بھی کر دیا۔ ان خطوط پر ساحر صاحب نے جو حواشی لکھے ہیں وہ بھی خاصے کی چیز ہیں نیز کتابیات اور اشاریے کے اضافے نے اس کتاب کی افادیت کو دوچند کر دیا ہے۔ ادارۂ یادگارِ غالب کی جانب سے ان خطوط کی اشاعت ہمارے لیے باعثِ فخر بھی ہے اور باعثِ شکر بھی کہ ایسے وقیع علمی کام کی اشاعت کا اعزاز ہمارے ادارے کو حاصل ہو رہا ہے۔

پیش گفتار

[۱]

علامہ عبدالعزیز خالد [م ۲۰۱۰ء] میرے اُستاد اور علمی و ادبی رہنما تھے۔ میں نے ان سے عروض، قافیے، املا، لفظوں کی بناوٹ اور ان کی معنویت کے سلسلے میں بہت کچھ اکتسابِ فیض کیا۔ اگرچہ اُن سے نشستیں تو ذرا کم کم رہیں، مگر جو رہیں، وہ تھیں طویل تر ____ عربی، فارسی، انگریزی، اردو اور پنجابی کے شعر و ادب پر جیسی نظر وہ رکھتے تھے، اتنی تو بہت سے عالم مل کر بھی نہ رکھتے ہوں، تو عجب نہیں۔ لکھنا اور پڑھنا اُن کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ وہ گفتگو کے دھنی تھے۔ کوئی بھی موضوع ہو، اُس پر گھنٹوں بامعنی اور سیر حاصل گفتگو اُن کا ایک ایسا وصف تھا، جو کم لوگوں کا مقسوم ہوتا ہے۔ میں ایک بار مسلسل نو گھنٹے اُس بارگہِ علم میں باریاب رہا۔ وہ بولتے رہے اور اُن کا حسنِ گویائی کانوں میں رس گھولتا رہا۔ میرے ٹوٹے پھوٹے سوال: روشنی اور نور کی تعبیر سے منور ہوتے رہے۔ وہ گویا ہوئے تو اردو، فارسی اور انگریزی ادبیات سے ہوتے ہوئے عربی شعر و ادب کے نخلستان میں جا نکلے ____ میں اُن کے حافظے کی تاب ناکی اور اُن کے مطالعاتی آفاق کی وسعت سے مسحور ہو کر رہ گیا:

وہ خوش کلام تھا ایسا کہ اُس کے پاس ہمیں
طویل رہنا بھی لگتا تھا مختصر رہنا

میں انھیں گاہے بگاہے فون پر بھی زحمت دیتا رہتا تھا۔ کسی بھی لفظ، اس کے تلفظ اور

معنویت کے بارے میں اُن سے زیادہ باخبر اور تھا بھی کون؟ جن سے لفظ اور اُس کی متعدد اور متنوع جہات کے بارے میں پوچھا جائے۔ 'ضد' کا متضاد کیا ہوتا ہے؟ کسی نے مجھ سے سوال کیا۔ میں نے اردو کے اکثر لغات دیکھ لیے، مگر کوئی مناسب اور موزوں لفظ نہ سوجھا۔ چند بزرگوں سے استفسار کیا، مگر معلوم نہ ہو سکا۔ خالد صاحب کا فون مل نہیں رہا تھا، مگر جب ملا تو سوال سنتے ہی فرمایا: 'حلم' ____ 'ضد' کا متضاد 'حلم' ہونا چاہیے۔ میں سرشار ہو گیا ____ کیونکہ گفتگو اُن سے روبرو ہوتی، یا فون پر ____ اُن کا علمی جاہ وجلال اُس رنگ اور آہنگ کا عکاس ہوتا تھا، جو اُن کی تحریر کا حسن بھی ہے اور شناخت کا حوالہ بھی!

[۲]

خالد صاحب کے خط طرزِ احساس کی سادگی اور حسنِ بیان کی سلاست کا عمدہ نمونہ ہیں۔ انھیں اظہار کی وہ قوت ارزانی ہوئی، جو اپنے مافی الضمیر کو بیان کرنے میں معاون بھی ہوتی ہے اور اُس کی معنی کشائی میں مددگار بھی۔ جب وہ خط میں سوال کو تفہیم و تعبیر کی روشنی اور رعنائی سے معمور کرتے، تو سوال کا کوئی بھی زاویہ آگہی کے نور سے محروم نہیں رہتا تھا۔ اُن کے حافظے اور یادداشت میں فکر و خیال کے کتنے ہی آفاق جلوہ نما تھے، مگر اس کے باوجود وہ میرے طالب علمانہ سوالات کے جوابات دینے میں بھی کتابوں کے حوالوں سے بے نیاز نہ تھے۔ وہ کبھی اپنے متحضر علم پر بھروسا نہیں کرتے تھے۔ ان کے خط علمی ثقاہت کے ترجمان ہوتے تھے، فکر و فرہنگ کے نقیب بھی۔ ابلاغ اور ترسیل معنی کی تاب اور توانائی ان کے خطوط کی سب سے اہم خوبی ہے۔ لفظ اور اس کی فکری اور معنوی تعبیر میں انھیں ماہرانہ دسترس تھی۔ پیشِ نظر خط ان کے اس وصف کا اظہاریہ ہیں۔ گنجینۂ معنی کی طلسماتی اپیل ان مکتوبات میں جا بجا موجود ہے۔ یہ خطوط سادگیِ اظہار کا عمدہ نمونہ ہیں۔ یہ سادگی سپاٹ نہیں، بلکہ اس میں رعنائی اور تازگی کے کتنے ہی قرینے لودے اُٹھے ہیں۔ اُن کے مکتوب الیہم کا دائرہ نہایت وسیع تھا۔ اِس میں ہر

رنگ اور ہر طرح کے لوگ شامل تھے۔ عفت موہانی [م ۲۰۰۶ء] جیسی مدّاح اور عقیدت کیش بھی اُن میں موجود تھی اور مجھ ایسا مرید اور نیاز مند بھی ____ یقیناً ہزاروں خط ہوں گے، جو ان کے مکتوب الیہم کے پاس محفوظ ہوں گے۔ اگر وہ خط چھپ جائیں تو علمی اور ادبی حوالے سے ایک گراں قدر ذخیرہ فراہم ہو سکتا ہے۔ ہر ایک کے نام اُن کے خطوں کی بہار دیدنی ہے، کیونکہ اُن کا کوئی بھی خط علم کی خوشبو سے خالی نہیں ہوتا۔ وہ اپنے خطوں میں فکر و فرہنگ کے اتنے چراغ روشن کر دیتے تھے کہ اُن کی لو بڑھتی چلی جاتی ہے، کم نہیں ہوتی ____ وہ نہایت سرعت سے خط کا جواب دینے کے عادی تھے۔ مجھ سے رسید بھجوانے میں دیر سویر ہو جاتی تھی، مگر اُن کی طرف سے جواب آنے میں کبھی دیر نہیں ہوئی۔ ملک کے بیسوں مقتدر علمائے ادب سے میرا مراسلت کا رشتہ قائم ہے، لیکن میں نے اُن جیسا ذمہ دار مکتوب نگار کسی کو بھی نہیں پایا۔

[۳]

پچھلے انیس بیس برسوں میں میرے نام اُن کے پینتالیس [۴۵] خط آئے۔ ایک کے سوا باقی سب خط محفوظ ہیں ____ میں نے خطوں کی تمام فائلیں چھان ماریں، مگر وہ خط نہ مل سکا۔ اُس خط کے ضائع ہونے کا مجھے بہت افسوس ہے، کیونکہ اپنے علمی مندرجات کے اعتبار سے وہ بہت قیمتی خط تھا۔ اُس میں دیگر علمی اور ادبی حوالوں کے، خوشی محمد ناظر کی ایک نظم تصویرِ عبرت کے اس شعر:

اُس کے حقّے پہ سرسوں پھول تھی
سبزہ و گُل کا لطف آنے لگا

____ کی نہایت ہی بصیرت افروز تعبیر اور تفہیم کی گئی تھی۔ حقّے پر سرسوں پھولنے کی جو معنویت انھوں نے منکشف کی تھی، وہ سبزہ و گل کی لطف آوری کی کہانی بیان کرتی تھی۔ دہلی کے میلوں ٹھیلوں میں حقّہ پلانے والوں کے حقّوں پر جو سرسوں پھولی ہوتی

تھی ،اُس کے معانی تک رسائی سے تو اب دہلی والے بھی آشنا نہیں۔۔۔۔۔میں نے کتنے ہی زبان کے مزاج شناسوں سے اس شعر کی بابت استفسار کیا،مگر وہ سر عبدالقادر کے اس فرمودے سے سرِ مو مختلف نہیں نکلے، جو انھوں نے اس شعر کے ضمن میں مختلف سوالات اُٹھاتے ہوئے پروفیسر سے وابستہ کیے تھے:

''انھوں (ناظر) نے ایک واقعہ منظوم کیا، ایک سادہ سی بات تھی کہ دہلی میں ساقی ہوتے ہیں۔ابھی تو کچھ دیکھنے والے موجود ہیں کہ ساقی حقہ پلانے والے کو کہتے ہیں۔خیر تو اُن کا یہ کام تھا کہ میلے ٹھیلے، یا رونق کے وقت حقّے پر سرسوں اُگائی ہوتی تھی۔گرمیوں میں حقّے کی نے بالکل تازہ رکھتے تھے۔۔۔۔میں نے کئی بار ارادہ کیا کہ اس پر حاشیہ لکھوں اور آنے والی نسلوں کو بتاؤں کہ حقہ، ساقی، سرسوں، سبزہ، گُل کا لطف کیا چیز ہے؟ ایک دن آنے والا ہے کہ سرسوں بھی ہوگی؛ گُل بھی ہوگا، مگر جماعت میں جب کہیں ذکر آ گیا تو پروفیسر عینک لگا کر کہے گا۔یہ شعر ایسے ہی لکھے ہوتے ہیں۔بھلا حقے اور سبزے اور ساقی کا کیا جوڑ؟ ساقی تو شراب کے ساتھ درست ہے، یہ تو صرف استعارات وتشبیہات ہیں؛ صرف رنگ مراد ہیں''۔

[مقالاتِ عبدالقادر مرتبہ محمد حنیف شاہد :مجلس ترقی ادب، لاہور:ص ۴۷]

[۴]

خطوط کے آخر میں، اِن کی بہتر تفہیم کے لیے میں نے مختلف مقامات پر حاشیہ آرائی کی ہے، تا کہ اِن کی معنویت کا اظہار اور ابلاغ اپنے مجموعی فکری تناظر میں مرتب ہو سکے۔اکثر وبیشتر مقامات پر حاشیے کے ذیل میں، میں نے وہ سوالات اور استفسارات بھی شامل کر دیے ہیں، جو مکتوب نگاری کا سبب بنے ہیں۔یقیناً ان حواشی کی روشنی میں خطوط کی معنوی اپیل اپنے طرزِ احساس کی ترجمان بن گئی ہے۔

[۵]

خالد صاحب کے انتیس خط میرے حواشی اور تعلیقات کے ساتھ تحقیق [مجلہ شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی، حیدر آباد، پاکستان] شمارہ ۱۵ میں اشاعت آشنا ہوئے تو رفیق نقش صاحب [م ۲۰۱۳ء] نے ان کا محاکمہ کیا۔ انھوں نے بعض امور پر بہت عمدہ بحث کی۔ خالد صاحب کے ان خطوط کے ساتھ ان کا کرم نامہ بھی شامل کر رہا ہوں، تاکہ استاذِ گرامی کے خطوط کی تفہیم اور تعبیر میں معاون ہو۔ بقیہ پندرہ خط بھی تحقیق شمارہ ۲۴ میں شائع ہوئے ور قارئین کے ایک بڑے علمی اور ادبی حلقے تک پہنچے۔ اس کرم فرمائی پر اپنے عزیز دوست سید جاوید اقبال [مدیر تحقیق] کا ممنونِ احسان ہوں۔ ڈاکٹر رؤف پاریکھ کے لیے دعا ہائے فراواں کہ جن کی بدولت اب یہ خطوط کتابی صورت میں جلوہ گر ہو رہے ہیں۔

عبدالعزیز ساحر

شعبۂ اردو

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

sahir66_aiou@yahoo.com

خطوط

مع

حواشی

[خط نمبر۱]

مکرمی!

سلام علیکم۔ نوازش نامے کا شکریہ۔

جو چند خط (۱) مل سکے، اُن کی فوٹو کاپیاں ارسال ہیں۔

لاہور
خاکسار

۶۔ جولائی ۱۹۹۱ء
خالد

۱۱۰۔ جے، ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی، لاہور کینٹ

فون: ۸۹۰۰۲۱، ۸۹۳۱۱۰، ۸۹۱۷۰۳

[خط نمبر۲]

مکرمی!

تسلیم۔ برق صاحب (۱) کے دو خط اور مل گئے۔ عکسی نقلیں ارسال ہیں۔ آپ کے مفید مطلب ایک تراشا (۲) بھی ملفوف ہے۔

لاہور
خاکسار

۱۳۔ جولائی ۱۹۹۱ء
خالد

فون: ۸۹۰۰۲۱، ۸۹۳۱۱۰، ۸۹۱۷۰۳

[خط نمبر۳]

مکرمی!

السلام علیکم۔ میں نے اپنے دوسرے خط میں ڈاکٹر صاحب (۱) کے مزید دو خطوں کی عکسی نقلیں ترجمان القرآن کے ایک تراشے کے ساتھ بھیجی تھیں۔ خط اُمید ہے، مل گیا ہوگا۔

لاہور
خاکسار

اگست ۱۹۹۱ء
خالد

[خط نمبر ۴]

برادرم!

السلام علیکم۔ نوازش نامہ ملا۔

جُل (۱): جا، چلا جا، چل اُٹھ، اُٹھ جا۔

مجھے یاد نہیں پڑتا کہ جالندھر یا لاہور میں کبھی یہ لفظ سُنا ہو۔ البتہ ریاست بہاولپور اور جھنگ میں اکثر سُنا۔ یہ سرائیکی (اور آپ کے بقول ہندکو) سے مخصوص معلوم ہوتا ہے، مگر آپ نے حضرت امیر خسرو کا جو شعر نقل کیا ہے، اس میں تو میری ناقص رائے میں یہ فعل نہیں، بلکہ بطور اسم استعمال ہوا ہے، یعنی توبرہ میرے سر پر رکھ کر کہا کہ: یہ جُل ہے (۲)۔

یہاں جُل، توبرے رتوبرے کے مترادف کے طور پر آیا ہے۔ ویسے ہو سکتا ہے آپ کی بات بھی صحیح ہو اور یہ ذو معنین ہو۔ (صنعتِ ایہام و توریہ)

جُل: تو دیہاتی پنجابی میں عام مستعمل ہے۔ ڈھور ڈنگروں کی جاڑے کے موسم میں جھوٹی موٹی پوشش۔ اس کی اصل عربی ہے: جُل ج اَجلال، جلال (الفرائد الدریہ)

Pack- Saddle,Horse- cloth

جھول اسی کی بگڑی ہوئی، یا مورد رمُہنّد شکل ہے۔

مختلف لغاتوں میں یہ یوں ملتا ہے:

A. جل gull--- a housing or covering for an elephant, bullock ---- Piatts: Farbes: Fallon: Shakespear

جُل---- a housing or covering for a horse. aveil, carpet or covering _____Richardson

جُل، جُلّر، جُلّرا---- a large, tattered quilt -- a covering for an elephant, bullock trappings

کندھولا، کھندولا، گھندولا، جُل گھندولا ----Bhai Maya Sing

جناب شریف کنجاہی (۳) کی مختصر پنجابی لغت میں اس کا اندراج اس طرح ہے:

جل: دھوکا، پرانا لیف، تر

تر: غالباً تُر ہے ___ چل

دھوکے یا چھل فریب کے معنوں میں یہ لفظ ہندی/سنسکرت ہے اور اس کا تلفظ جَل (لام مخفف) ہے، جَلّ (لام مشدد) نہیں۔ والسلام

لاہور　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　خاکسار

۳۰۔ جولائی ۱۹۹۴ء　　　　　　　　　　　　　　　　　خالد

[خط نمبر ۵]

برادرم!

کل میں نے آپ کو ایک خط لکھا تھا۔ بعد میں خیال آیا کہ ہِل اور مِل کے ساتھ تو جُل کا استعمال عام ہے:

ہل جل سکنا	مل جل کر
ہلو جلو	ملو جلو
ہلنا جلنا	ملنا جلنا

یہ صورتیں آپ کے بھی پیشِ نظر ہوں گی۔

لاہور　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　خاکسار

۳۱۔ جولائی ۱۹۹۴ء　　　　　　　　　　　　　　　　　خالد

[خط نمبر ۶]

برادرم!

السلام علیکم۔ میں آپ کو رشید حسن خاں (۱) کی کتاب (۲) سے رجوع کرنے کا مشورہ دینے کا سوچ رہا تھا، مگر وہ آپ کے پاس پہلے سے موجود ہے۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری (۳) نے نگار، کراچی کا شمارہ اگست ۱۹۹۴ء (۴) اسی موضوع کے

لیے وقف کیا تھا، کہیں سے دستیاب ہو تو اُسے ایک نظر دیکھ لیں یا اُن سے براہِ راست منگوالیں۔

۱۔ ہائے ہوز کا ایک شوشہ صرف د، ک، گ اور ل ہی میں بنایا جاتا ہے: ہد، ہک، ہل۔ باقی حرفوں سے پہلے تو ایسے ہہ لکھا جاتا ہے: ہم، ہٹ، ہو، ہی وغیرہ (۵)

املا نویسی میں ذوقِ جمال کو کیسے نظرانداز کر سکتے ہیں؟ اِسی ذوق نے تو اتنے مختلف اور گوناگوں مکاتبِ کتابت اور اسالیبِ خوش نویسی پیدا کیے ہیں (۶)۔

۲۔ ہائے اور ہائے میں میرے خیال میں تو کوئی فرق نہیں۔ ہم تو ابتدائے شوق، سودائے خام، انتہائے کرم کو بھی ابتدائے شوق، سودائے خام اور انتہائے کرم لکھتے ہیں، یعنی عربی فارسی کے الف، و، ع پر ختم ہونے والے الفاظ پر بھی مضاف اور موصوف ہونے کی صورت میں ء لگاتے ہیں۔ اگرچہ مرزا غالب فارسی ترکیبوں کی یائے تحتانی پر ہمزہ لکھنے کو جہالت اور بدمذاقی سمجھتے ہیں (۷)۔ ایران میں یہ ہمزہ ختم ہو چکا ہے۔ یہاں بھی کچھ لوگ نہیں لگاتے، مگر ہماری تو اس کے بغیر تسکین نہیں ہوتی (۸)۔

۳۔ منہ کی ہ کے نیچے ' آج کل کون لگاتا ہے؟ نصابی کتابیں اُٹھا کر دیکھیں۔ ہم نے زبان اور تلفظ کا کیا ستیاناس کر دیا ہے؟ (۹) اعراب کا کہیں وجود ہی نہیں۔ خواب اور خواہش کو اردو کے کہنہ سال پروفیسر تک خواب اور خواہش، یعنی Khawahish,Khawab بولتے ہیں۔

۴۔ دباو، بہاو وغیرہ کو میں تو دباؤ، بہاؤ ہی لکھتا ہوں۔ ہماری لغاتیں بھی یونہی لکھتی ہیں۔ رشید حسن خاں نے غالباً ء اُڑانے کی وکالت کی ہے، مگر ہمزہ کے بغیر ان کو صحیح کیسے پڑھا جائے گا؟ (۱۰) والسلام

۱۸۔ دسمبر ۱۹۹۴ء

لاہور

خاکسار

خالد

[خط نمبر ۷]

برادرم!

السلام علیکم۔ مزاجِ عالی؟

دونوں خط ملے اور ان کے ساتھ ہی کتاب بھی (۱)۔ کتاب کا نہایت شکرگزار ہوں۔

آپ نے بہت محنت، سلیقے اور ذہانت سے موضوع کا حق ادا کیا ہے۔ آپ کا نثری اسلوب بہ ذاتِ خود لائقِ ستائش ہے۔

نظم ملفوف ہے [۲]۔

میں نے اپنے کسی خط کی کبھی نقل [۳] نہیں رکھی۔ خط کا اگلا حصہ غالباً ضائع ہو گیا (غالباً نہیں، یقیناً)۔ میں نے آج پھر خطوں کی فائلوں کو ایک ایک کر کے دیکھا، مگر سوائے پسینے کے کچھ حاصل نہ ہوا [۴]۔

نقل کردہ شعر معلوم نہیں، کس کا ہے؟ [۵]

بک لینڈ، کراچی ـــــــــ یادش بخیر [۶]

آں دفتر را گاؤ خورد و گاؤ را قصاب برد

لاہور | خاکسار

۳۱۔ جولائی ۱۹۹۵ء | خالد

۷۹۔ این، ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی، لاہور کینٹ ۔ ۵۴۷۹۲

[خط نمبر ۸]

برادرم!

السلام علیکم۔ نہایت معذرت خواہ ہوں کہ آپ کو یاد دہانی کا خط لکھنا پڑا۔

نظم [۱] ارسال ہے۔ آپ چاہیں تو اسے شاملِ اشاعت کریں۔

لاہور | خاکسار

۳۔ اکتوبر ۱۹۹۶ء | خالد

[خط نمبر ۹]

برادرم!

سلامت و رحمت۔ پہلے تو شادی کی مبارک باد قبول فرمائیں۔

شاکر صاحب [۱] کا سہرا [۲] بہت خوب ہے۔ چند متبادل میں نے تجویز کیے ہیں

(صرف تجویز!)۔ ردوقبول کا فیصلہ آپ دونوں پر ہے۔

۳۔ جیبِ فراق = دامانِ ہجر

۶۔ بہ صد ہزار = بہ صد اداو

۷۔ عروسِ بختِ شادو اس کی جگہ بہت سے مرکبِ توصیفی آ سکتے ہیں، مثلاً: عروسِ آئینہ سیما، عروسِ حور شمائل، عروسِ زہرہ نگاہ و، عروسِ زہرہ جمال و

۸۔ پہلے مصرع کی جگہ:

گلِ مراد بہ چیدن بہ دستِ شوقِ وصال

خوش ادا = خوش لقا

نئی زندگی کا سفر مبارک ہو:

یارب بنے بنی میں ہمیشہ بنی رہے

شاکر صاحب سے بھی سلام کہیں۔

خاکسار

خالد

لاہور

۷۔ مئی ۱۹۹۷ء

[خط نمبر ۱۰]

برادرم!

سلام و رحمت۔ فردا (۱) ملا:

ای وقتِ تو خوش کہ وقتِ ما خوش کر دی!

پرچہ صورتاً دلکش اور معناً دلکشا ہے۔ آپ نے اسے بڑی کاوش، ذوق اور سلیقے سے مرتب کیا ہے اور واقعتہً ایک یادگاری چیز بنا دیا ہے۔

اداریے میں نعتیہ ٹکڑا بڑا خوبصورت اور پُر تاثیر ہے، کیا آپ کا ہے؟ جس کا بھی ہے، اُس کی خوش نوائی اور معنی آفرینی میں کوئی شک نہیں (۲)۔

میرا موجودہ پتا ہے: ۱۰۲۔سی، ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی لاہور کینٹ۔۵۴۷۹۲

فون: ۵۷۲۶۶۰۵

لاہور

۹۔ جولائی ۱۹۹۷ء

خاکسار

خالد

[خط نمبر ۱۱]

برادرم!

السلام علیکم۔ آپ کا سوال نامہ ملا۔ اپنے فہم و درک کے مطابق یوں عرض پرداز ہوں:

۱۔ بزرگ دوست کا ارشاد مصرع کے مفہوم کا احاطہ تو کرتا ہے، مگر لفظ بینائی ہے، دیکھنے والے نہ کہ جاننے اور سمجھنے والے۔ آپ کا صاحبِ نظر افراد بھی کچھ ایسا بے جا نہیں۔ یہ بھی مصرع کا حق ادا کر رہا ہے (۱)۔ صاحبِ نظر اور دیدہ وری تو ہوتا ہے، جو حقیقت نگر ہو؛ تہ رس ہو:

گاہ مری نگاہِ تیز چیر گئی دلِ وجود

کا مصداق:

جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

دیدہ ور آں کہ چوں نہد دل بہ شمارِ دلبری
در دلِ سنگ بنگرد رقصِ بتانِ آزری

راہ زیں دیدہ وراں پرس کہ در گرم روی
جادہ چوں نبضِ تپاں در تنِ صحرا بیند

غالب

۲۔ پروفیسر رفیق خاور صاحب (۲) نے اِس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

ان نواؤں کی بدولت روح کو حاصل ثبات
کار فرما ان میں تھا سوزِ درونِ کائنات

گرمی او (۳) کا اشارہ نوا آہا کی طرف ہی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ یہ نوائیں اُن آتش نواؤں کی ہیں، جنھوں نے جانِ حرم میں شور مچا رکھا ہے۔ ایں کی جگہ او لانے کی بظاہر کوئی خاص ضرورت تو نہ تھی: 'مگر دل کی اپنی منطق ہے۔ علمِ منطق جسے سمجھنے سے قاصر ہے'۔ (پاسکل)
(۴)

۳۔ ہیبتِ نظارہ از ہوشم ربود

ہیبتِ نظارہ نے مرے ہوش پراگندہ کردیے: اُڑا دیے: مجھے مبہوت کردیا (۵)۔

۴۔ صفحہ ۱۲۲ پر یہ شعر آتا ہے: (۶)

مردِ مومن با خُدا دارد نیاز
'باتو می سازیم تو با ما بساز'

مردِ مومن ریختہ کارمرد اپنے توکل، نیازمندی اور اطاعت کیشی سے خود تقدیرِ یزداں اور ضمیرِ کن فکاں بن جاتا ہے۔ وہ تخلق باخلاق اللہ اور اتصاف باوصاف اللہ کا مقام حاصل کرلیتا ہے:

خُدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟

بقولِ بوتراب:

(۷)
رضینا قسمتہ الجبار فینا

'جو جبار نے ہمارے لیے مقسوم کردیا ہے، ہم اس پر راضی ہوگئے'۔

یہی شیوۂ تسلیم و رضا، جبر کو اختیار میں تبدیل کردیتا ہے:

در دلِ ما غمِ دنیا غمِ معشوق شود

جب انسان خُدا کی رضا کو اپنی رضا بنالیتا ہے: جب وہ ظاہر و باطن سے راضی بہ رضا ہوجاتا ہے: اپنے آپ کو مکمل طور پر کردگار کے سپرد کردیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کے جو بھی فیصلے: جو بھی تقدیریں ہیں، وہ اس کے بھلے کے لیے ہیں: اس کی معاونِ حیات ہیں تو دوئی مٹ جاتی ہے اور اس کے اندر کی کش مکش ختم ہوجاتی ہے، اُسے سکینت، طمانیتِ قلب اور جمعیتِ خاطر نصیب ہوجاتی ہے۔ اثباتِ ذات، استحکامِ ذات اور ارتکازِ ذات اُسے ایک بے پناہ قوت بنادیتے ہیں:

سمندر پاٹنے والی، پہاڑ کاٹنے والی

مگر جو کمزور اور قوتِ ارادی سے محروم شخص ہوتا ہے، وہ ہمیشہ قسمت کا شاکی اور اپنی محرومی و ناکامی پر نوحہ کناں رہتا ہے۔ یہی گومگو اور مگن مکن کی کیفیت اُسے کوئی فیصلہ کن قدم اُٹھانے نہیں دیتی۔ وہ ستیز گاہِ جہاں میں پسپائی اختیار کر لیتا ہے اور بجائے اس ہزیمت و بے دلی کو اپنی کوتاہی اور کم ہمتی کی پاداش سمجھنے کے، اسے مقدر کی ناانصافی پر محمول کرتا اور ہر وقت جلتا کڑھتا رہتا ہے۔ جب صابر و شاکر انسان اپنے آپ کو خُدائے لایزال کی لم یزل تقدیر کے حوالے کر دیتا ہے، تو وہ دریا کے دھارے کے خلاف نہیں، بلکہ اس کے ساتھ تیرنا شروع کر دیتا ہے، اس لیے اس کی طاقت اور کارگزاری کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ وہ ایک سے کئی ہو جاتا ہے اور جو آدمی اس معرفت سے محروم ہوتا ہے، وہ اپنی کم فہمی سے اپنے آپ کو مجبور و معذور کہہ کر ہر ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کی سعی ناکام کرتا ہے۔ اسے جبر کو قدر اور قضا کو قصد و اختیار بنانے کا نسخۂ کیمیا نہیں آتا۔ وہ اپنے اولوالعزم بھائی کی طرح یہ نہیں کہہ سکتا:

من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم
من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم

انسان اپنے اختیار میں مختار اور اپنے امکانات کو بروئے کار لانے میں پورے طور پر آزاد ہے۔ پختہ مرد مشیت کے آگے سرِ تسلیم خم کر کے خُدا کو عادل اور رحیم و کریم مان کر خواہ مخواہ قضا و قدر سے برسرِ پیکار نہیں ہوتا؛ اپنی طاقت کو بے وجہ فریاد و فغاں میں ضائع نہیں کرتا، بلکہ مثبت اور تخلیقی انداز میں اپنے جوہر کے فروغ، اپنی حیاتِ مستعار کی غرض و غایت کے حصول اور منشائے ایزدی کی تکمیل میں لگا رہتا ہے۔ یہ کرنے والا اولوالعزم اور صاحبِ ہمت ہے۔ وہ سمجھتا ہے:

خُدا صرف اُن کی کرتا ہے مدد، اپنی مدد جو آپ کرتے ہیں!

مردِ قوی رمومن، خُدا سے حسنِ ظن رکھتا ہے:

کارسازِ ما بہ فکرِ کارِ ما

اس کے برعکس مردِ ضعیف کاش اور اگر کا شکار ہو کر، نامرادی اور بے حاصلی کے نرغے میں گھر کر رہ جاتا ہے:

اجل ان سے مت کر حجاب

اجل ان سے مل

اجل یہ سب انسان منفی ہیں

منفی زیادہ ہیں، انسان کم

ہو ان پر نگاہِ کرم

ن م راشد

اس سے اگلا شعر ہے۔ (صفحہ ۱۲۲):

عزمِ او خلاقِ تقدیرِ حق است

روزِ ہیجا تیرِ او تیرِ حق است

و ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی کی طرف اشارہ ہے: (القرآن: ۸:۱۷)

فضائے بدر پیدا کر، اتر سکتے ہیں گردوں سے

فرشتے تیری نصرت کو قطار اندر قطار اب بھی

یہ وہ مقام ہے، جہاں تقدیر اور تدبیر مل جاتے ہیں: اے اہلِ راز! کیا یہی مقامِ وحدة الوجود ہے؟

بھگوت گیتا میں ہے: ''جہاں انسان اس حالت کو پہنچ جائے کہ بھی کام راگ اور دویش کو چھوڑ کر پرماتما کے حکم کے مطابق کرے۔ تبھی سمجھنا چاہیے کہ وہ کچھ نہیں کرتا، جو کچھ پرماتما اُس سے کراتے ہیں، وہی کام اُس سے ہوتا ہے، اس لیے وہ 'کرتا' ہوتے ہوئے بھی 'اکرتا' ہے۔

ہے ارجن! جو پرش کسی میں موہ نہیں رکھتا؛ کسی سے خوف نہیں کھاتا؛ کسی پر غصہ نہیں کرتا، ساتھ ہی مجھ میں مگن رہتا ہے۔ ہر طرح میرے ہی آشرے اور بھروسے پر رہتا ہے اور گیان روپی تپ سے پوتر ہو گیا ہے، وہ مجھ میں مل جاتا ہے''۔

یہ راز و نیاز، قرب و تقرب اور وصل و اتصال کا مقام اُن صاحب ہمتوں اور پختہ مردوں کو نصیب ہوتا ہے، جن کے بارے میں عارف رومی کا فتویٰ ہے:

بزیرِ کنگرۂ کبریاش مردانند

فرشتہ صید و پیمبر شکار و یزداں گیر

۵۔ بیضا ستند / بیضا استند : است، استند، اند کا الف عموماً اُڑ جاتا ہے اور ماقبل کے لفظ میں مدغم ہوجاتا ہے۔ از صرف ز رہ جاتا ہے۔ یہ فارسی میں عام (۸) ہے۔

سعدی:

راستی موجب رضای خُداست (خدااست)

کس ندیدم کہ گم شد از رہِ راست

حسود را چہ کنم کاوز خود برنج درست (دراست)

کہ از مشقتِ آں جز بمرگ نتواں است

حافظ:

در نظر بازیِ ما بی خبراں حیرانند (حیران اند)

۶۔ خدا کی طرف : (۹) از بسکہ حق ورائے مرگ اور کیف و کمِ مرگ سے ناآشنا ہے، اس لیے ہم علمِ مرگ میں اس سے بڑھ کر ہیں۔ کتنا بے ادبانہ ادعا ہے!

وسع ربنا کل شیءٍ علماً (۱۰)

ان اللہ بکل شیءٍ علیم (۱۱)

و ان اللہ قد احاط بکل شیءٍ علماً (۱۲)

____ کو شاعر نے شعری رو میں نظر انداز کر دیا، لیکن پیرِ رومی، مریدِ ہندی کی وکالت کے لیے موجود ہے:

گفتگویِ عاشقاں در کارِ رب

جوششِ عشق است، نی ترکِ ادب

۷۔ زرتشت کا زمانہ وفات ۵۷۱ق م بیان کیا جاتا ہے۔

ارّہ کا اشارہ حضرت یحییٰ (یوحنا) کی طرف ہے۔ وہ حضرت عیسیٰ کے خالہ زاد تھے اور ۴۴ء میں ہیرودیس اگریپا اوّل کے حکم سے رقاصہ سلومی کے تقاضے پر شہید ہوئے۔

کرم کا اشارہ حضرت سلیمان کی طرف ہے کہ اُن کے عصا کو دیمک نے کھالیا تھا۔ حضرت داؤد نے ۹۳۰ق م میں وفات پائی تو وہ تخت نشین ہوئے۔

صلیب کا اشارہ حضرت مسیح کی طرف ہے، حالانکہ وہ مصلوب نہیں ہوئے۔

ارّہ اور صلیب کی تلمیح سہوِ تاریخی (Anachoronism) کی ذیل میں آتی ہے اور زرتشت، حضرت سلیمان کے قصے سے بھی کہاں واقف ہوگا؟ (۱۳)

۸۔ ابنِ سینا کا دل (۱۴) بیاض (کتاب القانون فی الطب) میں اٹکا ہوا ہے؛ وہ اس کی ورق گردانی میں مصروف ہے؛ اس کو اپنے فارما کوپیا (نسخوں) کی چھان بین اور اس راز پر غور و خوض ہی سے فرصت نہیں۔

۹۔ سلطان (۱۵): سلطانی، سلطنت: الا بسلطان (سورۂ رحمٰن: ۳۳) زور، قوت

سلطان ٹیپو کو شہادت کا جام پینے کے سبب وارثِ جذبِ حسین کہا ہے۔ اس میں فقر بھی تھا اور سلطانی بھی؛ سلمانی بھی اور سلیمانی بھی۔ وہ سلطان تھا، مگر فقیر منش، فقیر دوست اور فقیر پرور!

مسلماں آن فقیرِ کج کلاهی

آن مسلمانان که میری کرده اند
در شهنشاهی فقیری کرده اند

____ کی تصویر۔

ایک دوسری جگہ فقر و سلطانی کی ترکیب ہے:

همین فقر است و سلطانی که دل را
نگه داری چو دریا گوهرِ خویش

اپنے بزرگ دوست (۱۶) سے سلامِ شوق کہیں۔ اُمید ہے آپ ہر طرح خیر و عافیت سے ہوں گے۔ آپ کی بحثوں سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔

لاہور
۲۶۔جون ۱۹۹۸ء

خاکسار
خالد

[خط نمبر ۱۲]

برادرم!

میرا تفصیلی خط مل گیا ہوگا۔ اس میں میرے معروضات معلوم نہیں، کس حد تک قرین صواب اور کس حد تک محلِ نظر ہیں؟ مجھ سے بے خیالی میں ایک فاش غلطی ہوگئی۔

ازہ ___ آرے کا اشارہ حضرت زکریا کی طرف ہے، جو حضرت یحییٰ (یوحنا اصطباغی) کے والد اور حضرت مسیح کے خالو تھے۔ ان کی زوجہ الیشع (ایشاع) اور حضرت مریم کی والدہ حنہ دونوں سگی بہنیں تھیں (۱)۔ حضرت یحییٰ کی شہادت (۳۴ء) کے بعد خوف زدہ ہو کر وہ جان بچانے کے لیے بھاگے۔ یہودی اُن کا پیچھا کر رہے تھے۔ ایک درخت کا کھوکھلا تنا نظر آیا۔ وہ اُس میں گھس گئے۔ تعاقب کرنے والے اُن کے خون کے پیاسوں نے دیکھ لیا اور آرے سے درخت کے ساتھ انھیں بھی چیر ڈالا۔

حضور کا ارشاد ہے: کان زکریا نجارا (مسندِ احمد بن حنبل)
زکریا بڑھئی تھے۔ لوقا کی انجیل میں انھیں کاہن کہا گیا ہے۔

زکریا کلوتر چرایو (۲)

خواجہ غلام فرید

آری نال جا زکریا پاڑیو نیں (۳)

ہدایت اللہ

اس فروگذاشت پر سخت نادم ہوں۔

لاہور | خاکسار

یکم جولائی ۱۹۹۸ء | خالد

[خط نمبر ۱۳]

برادرم!

سلام و رحمت۔ آپ کے سوال نامے کے جواب میں، میں نے دو خط لکھے تھے۔ ایک مفصل سات آٹھ صفحات کا اور دوسرا اس کے ایک دو دن بعد مختصر وضاحتی۔ اُمید تو ہے کہ آپ کو مل گئے ہوں گے، لیکن آپ نے رسید تک بھیجنے کی زحمت گوارا نہ کی۔

پہلے خط میں غالب کے جو دو شعر میں نے لکھے تھے، اُن میں دوسرے شعر کے مصرع ثانی میں رگِ صحرا نہیں، تنِ صحرا ہے۔ وضاحتی [خط] میں بے خیالی میں حضرت مریم کی والدہ کا نام بجائے حنہ کے غالباً حمنہ لکھا گیا(۱)۔

لاہور | خاکسار

۳۔ اگست ۱۹۹۸ء | خالد

[خط نمبر ۱۴]

برادرم!

السلام علیکم۔ نوازش نامہ ملا۔

جنگ کا وہ کالم، جس کا میں نے ذکر کیا تھا، وہ بیادِ مجلسِ اقبال کے عنوان سے ۹/ جولائی ۱۹۹۸ء کو شائع(۱) ہوا تھا۔

کتاب میں آپ نے بڑی محنت اور کاوش کی ہے۔ میرے خطوط اس میں شامل ہیں، میں اس پر کیا رائے زنی کروں؟ دوسرے مستعد و اہل، اہلِ قلم اس کارِ خیر کے لیے موجود ہیں۔ اخباروں، رسالوں میں کتاب بھیجیں۔ منصف مزاج لوگ آپ کی دیدہ ریزی کی داد دیں گے(۲)۔

فرہنگِ آصفیہ، نور اللغات، فیلن، فاربس، شیکسپیئر اور پلیٹس میں تو صرف کاش اور کاشکے ہے۔ فرہنگِ استنگاس --- (Persian -English Dictionary

(Steingass نے البتہ کاشک، کاشکہ اور کاشکے تینوں دیے ہیں۔ رچرڈسن نے بھی کاشک دیا ہے۔قواعد کی کتابوں میں حروفِ فجائیہ کے تحت (حرفِ تمنا،طلب کی مد میں) صرف کاش، اے کاش اور کاشکے کا اندراج ہے،البتہ کہ کہیں نظر نہیں آیا (۳)۔

لیلیٰ اور سلمیٰ کو الف مقصورہ ی کے ساتھ ہی لکھنا چاہیے۔یہ علامتِ تانیث ہے (۴)۔والسلام

زیادہ نیاز

لاہور　　　خاکسار

یکم اپریل ۱۹۹۹ء　　　خالد

[خط نمبر ۱۵]

برادرم!

آپ کا اوپن یونیورسٹی میں آنا مبارک ہو۔

خط کے ساتھ دونوں گراں قدر کتابیں (۱) بھی ملیں، جو اپنے مرتب کی دیدہ وری کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔قبلہ نثار صاحب کا مقالہ مکمل شکل میں شائع ہونا چاہیے، تاکہ اُن کا پورا کام اہلِ نقد ونظر کے سامنے آ کر اپنی قدر و قیمت مشخص کروا سکے (۲)۔

اجمال (۳) کے ایک دو شمارے تو بھجوائیں، تاکہ کچھ اندازہ ہو سکے کہ کس قماش اور معیار کا پرچہ ہے؟

لاہور　　　خاکسار

۲۔جون ۲۰۰۳ء　　　خالد

[خط نمبر ۱۶]

ساحر صاحب!

تسلیم وتحیت۔والا نامہ ملا۔

اس سے پہلے جب آپ نے نثار صاحب کی کتابیں بھجوائی تھیں اور پرچے میں لکھنے کے لیے کہا تھا تو میرے جوابی خط پر آپ نے بالکل چُپ سادھ لی۔معلوم نہیں، وہ آپ کو ملا بھی تھا، یا نہیں؟

اب آپ نے جو استفسارات کیے ہیں، اپنے فہم و درک کے مطابق اُن کے جوابات عرض کرتا ہوں:

۱۔ قرارِ واقعی: بلا اضافت ہے۔
فردِ فرید: اضافت کے ساتھ (۱): یکتا، یگانہ، بے مثل، بے نظیر شخص، جو اپنی مثال آپ ہو، فرید الدہر:

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

۲۔ گِردباد or گَردباد (۲) : John Shakespear

Duncan Forbes

گِردباد : Vulg گَردباد : Platts

گِردباد : John Richardson

گِردباد : Fallon

گِردباد : Wallaston

گِردباد : Steingass

نور اللغات : یہ لفظ بالکسر اور بالفتح دونوں طرح صحیح ہے۔

بالکسر : گول ہوا

بالفتح : پھرنے والی ہوا، بگولا

فرہنگِ عامرہ : گِردباد

فرہنگِ آصفیہ : گِردباد : ہوا چکر، بگولا

علمی اردو لغت : گِردباد

فرہنگِ کاروان : گِردباد

فرہنگِ اقبال : گِردباد

لغاتِ کشوری : گِردباد

قائد اللغات : گِردباد

غیاث اللغات : بالکسر معروف است که به هند بگولا نامند۔

۳۔ خُدامِ ادب: خُدام کے بعد علامتِ ندائیہ تب درست ہوتی، اگر اُن سے تخاطب ہوتا؛ انھیں آواز دی ہوتی: اے خُدام! جو ظاہر ہے نہیں۔ ترکیب خُدامِ ادب ہے، یعنی خادمانِ باادب (۳)

۴۔ خوں ریز (اس شعر کے سیاق میں) (۴): دوسروں کا نہیں، بلکہ اپنا خون گرانے والا، اپنا خون پسینہ ایک کرنے والا، اپنے خون کو رزقِ خاک بنانے والا، خوں فشاں، جاں فشاں، انتہا کا جفاکش، ہر رنج وتعب کو سہنے والا

۵۔ صحیح ترکیب سنگِ میل ہے (۵): Milestone، نشانِ راہ، سنگِ نشان

عطف کے ساتھ بے معنی ہے۔ علامہ غالباً رواروی میں برگ وساماں کی مناسبت سے سنگ ومیل لکھ گئے:

کبھی ہومر بھی اونگھ جاتا ہے

۶۔ عام مستعمل ترکیب تو روحِ رواں ہی ہے، مگر روح ورواں بھی صحیح ہے۔ اقبال کی طرح غالب نے بھی دونوں ہی ترکیبیں استعمال کی ہیں (۶)۔

۷۔ کیا نیچے کی طرف اُڑان کے لیے پرواز کے علاوہ کوئی اور مخصوص لفظ ہے؟ کیا اُڑتے ہوئے پرندے نیچے اوپر اُڑانیں نہیں بھرتے؟ جب جہاز لینڈ کر رہا ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے:

____ کی پرواز آ گئی ہے! (۷)

۸۔ فرنگ کسی کی جھولی میں گرنے والا نہیں۔ علامہ کو خواہ مخواہ وسوسہ ہو گیا تھا اور وہ غلبۂ اسلام کا خوش آئند خواب دیکھنے والوں کی طرح زوالِ فرنگ کی عمر بھر پیش گوئیاں کرتے رہے۔ کیا تاتاریوں کی طرح وہ اِسے اسلام کی جھولی میں گرتا ہوا دیکھ رہے تھے؟ (۸)

۹۔ مردمِ دیدہ: اضافت کے ساتھ (۹)۔ دیکھے بھالے لوگ، یعنی وہ لوگ جنھیں مصنف نے دیکھا ہے اور جن سے اُس کی میل ملاقات رہی ہے۔ اگر بغیر اضافت کے ہو، تو اس کے معنی ہوں گے، وہ شخص جس نے لوگ دیکھے ہوں، جیسے: جہاں دیدہ ____ جس نے دنیا دیکھی ہو۔ مردمکِ چشم، مردمِ چشم: آنکھ کی پتلی ____ یہ بھی اضافت کے ساتھ ہے، یعنی مرکب اضافی ہے۔

۱۰۔ پورا شعر لکھیں (۱۰)۔

۱۱۔ دوہاجو ردہاجو: ج مضموم۔ وہ آدمی جو دوسری شادی کرے۔ دوج (دوسری) بار یہاں مستعمل کے معنی میں ہے، یعنی وہ قافیے جو کنوارے (virgin) نہ ہوں؛ نئے نہ ہوں (۱۱)۔

قرآن میں حوروں کی تعریف میں ہے: لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان (۱۲)، جن کو ان سے پہلے، یعنی اہل جنت سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا، نہ کسی جن نے ــــــ جو اچھوتی ہیں؛ شوہر نادیدہ ہیں۔

سلومی (۱۳) میں میرا ایک مصرع ہے:

باغیچہ تیرے بدن کا ہے مقفل اب تک!

یعنی وہ قافیے، جو پہلے بھی دوسروں کے استعمال میں آ چکے ہوں، جو صرف شاعر کی دریافت اور اُس کی اختراع نہ ہوں۔

۱۲۔ کھاپیل (زبر، زیر دونوں کے ساتھ درست) قاتل کا ہم قافیہ کیوں نہیں ہوسکتا؟ (۱۴)

۱۳۔ جو بچہ ابھی اردو کا حرف شناس ہی نہیں، وہ آپ کے ثقیل الفاظ: موقوف، مجزوم، ساکن، غنہ سن کر حواس باختہ نہیں ہو جائے گا؟ (۱۵) ــــــ

گوشت گاف واؤ: گو۔ ش۔ ت۔ گوشت

رنگ: رے زبر نون: رن، گاف: رنگ

چولھا: پہلے تو چ پر پیش ڈالیں۔ قاعدے میں غالباً نہیں ہوگی۔ چ پیش واؤ: چو۔ لام ہے: لھے۔ الف: لھا: چولھا

ہمارا: پہلے ہ پر زبر ڈالیں، پھر بچے سے کہلوائیں۔ ھے زبر میم الف: ما۔ ہما۔ رے الف: را۔ ہمارا

۱۴۔ رھڑو (۱۶): ریتیرو، ریتیرا، رھڑا، رھڑی: ریتلی، بنجر زمین ــــــ ھذا ما عندی!

اُمید کہ آپ ہر طرح خیر و عافیت سے ہوں گے۔

ڈاکٹر نثار صاحب سے سلام شوق کہیں۔ کیا انھیں میرا خط مل گیا تھا؟

خاکسار

خالد

لاہور

۱۰۔ ستمبر ۲۰۰۳ء

[خط نمبر ۱۷]

ساحر صاحب!

السلام علیکم۔ والا نامہ ملا۔

مجھ سے مراسلت کے لیے کیا کوئی پروانۂ راہداری درکار ہے؟

بر درِ ما حاجب و دربان نیست

میں تو ایک حقیر فقیر آدمی ہوں۔ یہ تو اربابِ جاہ و حشم ہوتے ہیں، جن تک رسائی کے لیے اذن اور وسیلے کی ضرورت ہوتی ہے۔

میں اگرچہ علمی لحاظ سے ایک بے بضاعت شخص ہوں: کل رجل اعلم منی خالد!

علم میں بڑھ کر ہے مجھ سے ہر کوئی

پھر بھی اپنی حد تک مجھے یہ وعید یاد رہتی ہے:

جس کسی سے ہوا سوال کبھی
نکتۂ علم کا، ہو آگاہی
اُسے جس کی، جوابِ استفسار
نہ دیا اُس نے اور رہا خاموش
اور یوں خفیہ رکھا علم اپنا
تو لگام آگ کی اُسے دے گا
حشر کے روز داورِ محشر!

سو اپنی دانست کے مطابق آپ کے سوالوں کا جواب حاضر ہے:

۱۔ نور اللغات: بالضم و فتح را (معرب کسریٰ)

Steingass: Khusrav. Khusrau

Shakespear: Khusrau

Richardson: Khusrau

خسرَو:

بدو گفت ای گیو خسرو منم
جہان را یکی مژدۂ نو منم

فردوسی

کہن شد قصۂ شیرین و خسرو
بہ شیرینی نشانم قصۂ نو

جامی

ہر اک مقام سے آگے گزر گیا مہِ نو
کمال کس کو میسر ہوا ہے بے تگ و دو؟
رہے نہ ایبک و غوری کے معرکے باقی
ہمیشہ تازہ و شیریں ہے نغمۂ خسرو

اقبال

فرہنگِ آصفیہ: خسرو، خُسرَو:

Brown: Khusrow

Khusro, Khursoe :(ڈاکٹر وحید مرزا (لائف اینڈ ورکس آف امیر خسرو

(بحوالہ: امیر خسرو دہلوی ____ ممتاز حسین) عام تلفظ یہی ہے۔

فرہنگِ کارواں: خُسرَو

بعض لوگ خُس رُو پڑھتے ہیں، یعنی خوش رُو

فرہنگِ عامرہ: خُس رُو

خیر الدین الزرکلی نے بھی الاعلام میں خُسرُو لکھا ہے۔

Platts: Khusrau.(vulg) Khusru

Farbes: Khusru or Khusrau (1)

۲۔ دیوتا (۲) بروزن فاعلن، ناخدا، مرحبا، آشنا وغیرہ

کہ سورج دیوتا گاتے ہیں دیپک راگ پانی پر

انشاء

خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

اقبال

لیکن درمیانی ی گرا کر اسے دوتا بروزن فعلن بھی باندھا گیا ہے:_ Deota اور

بہت سے ہندی الفاظ واسم کی طرح، مثلاً:

پیار: پار — تیاگ: تاگ

پیاس: پاس — تیاگی: تاگی

شیام: شام — پریکشا: پرکشا

دیودار: دودار — شیو: شو

دھیان: دھان

کیسے کیا چیز دھیان میں آئی — یگانہ

گیان: گان:

گر آتما کا جنھیں گیان ہے

ی کے علاوہ اور حرف (ہندی الاصل) بھی تقطیع میں گر جاتے ہیں، مثلاً:

پریم: پیم — لکشمی: لچھی

راکشس: راچھس — لکشمن: لچھمن

سرسوتی: سرتی — کشما، کھشما: چھما، شما

شراپ / سراپ: شاپ — سوانگ: سانگ

تپوَن: تپ بن   کرشن: کشن

کشیتر، کھشیتر: کھیتر (کھیت)   رتو: رت

۳۔ آتش (۳): فرہنگِ کارواں: آتِش اور آتَش دونوں طرح درست ہے۔

معین الشعراء: بالفتح تا و بالکسر تا دونوں طرح صحیح ہے۔

نوراللغات: بہ کسر تا و بہ فتحِ تا دونو طرح صحیح ہے، لیکن اساتذہ کے کلام میں عموماً بہ فتحِ تا پایا جاتا ہے۔

غیاث اللغات: آتش بالفتح و کسرِ فوقانی ہر دو درست است۔

امیر اللغات: اس لفظ میں فرہنگ نگاروں نے کسر و فتحِ تائے قرشت میں اختلاف کیا ہے۔

فرہنگِ آصفیہ: اکثر فرہنگ نویسوں نے تو بکسرِ تا اور بفتحِ تا دونوں طرح روا رکھا ہے، مگر بعض نے صرف اخیر صورت کو مانا ہے۔

آتَش:

حریص و جہاں سوز و سرکش مباش
ز خاک آفریدند آتَش مباش

سعدی

دیوانہ ام ز خانہ مشوّش بر آمدہ
طوفانم از تنورِ پُر آتَش بر آمدہ

نظیری

آہ تنِ سوزِ دروں سے شکلِ آتَش ہے مرا
دل کسی آتش کے پرکالے پہ جو غش ہے مرا

جرأت

آتِش:

گفت آتِش من همانم آتشم
اندر آ تا بہ بینی تابِشم

رومی

آتش or آتش :Shakespear

آتش or آتش :Farbes

Atish :Steingass

آتش :Platts

آتش :Fallon

آتش Wallaston

۴۔ عفو(۴) عفو: درگزر، معافی، بخشش

قرآن: ویسئلونك ماذا ینفقون قل العفو (البقرہ ۲:۲۱۹) 'اور پوچھتے ہیں تجھ سے کیا خرچ کریں، کہہ: جوافزود ہو؛ جو تمھاری ضرورت سے زائد ہو'۔

خذ العفو وامر بالمعروف (الاعراف ۷:۱۹۹) 'عفو اختیار کر (خوب کر معاف کرنا) اور کہہ: نیک کام کا'۔

حدیث: سلوا اللہ العفو و العافیة و المعافات (۵)

عفو: معاف کرنے والا، بخشش کرنے والا، درگزر سے کام لینے والا، صفاتی نام خدا تعالیٰ کا

ان اللہ لعفو غفور (الحج ۲۲:۶۰) 'بے شک خدا درگزر کرنے والا اور بخشنے والا ہے'۔

ان اللہ کان عفوا" غفورا" (النساء ۴:۴۳)

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرمِ خانہ خراب کو ترے عفوِ بندہ نواز میں

اقبال

رحم خدا ہے عفوِ گنہ پر تلا ہوا

امیر مینائی

کریم کے جو کرم کا ظہور ہوتا ہے
خطا سے پہلے ہی عفوِ قصور ہوتا ہے

جلیل

مجرم ایسا ہوں کہ عصیاں کا نہیں جس کے شمار
عَفو کر، عَفو کر اے چشمۂ فیضِ غفار!

عفو تیرا نہ ہوتا گر ضامن
مطمئن دل کبھی نہیں ہوتا

میر حسن

فرہنگِ آصفیہ: آمرزش، خطا بخشنا، باوجودِ قدرت عقوبت نہ دینا
شیخ سعدی نے بوستان میں بضمِ ثانی بھی باندھ دیا تھا:

عفو کردم از وی عمل ہای زشت

نوراللغات: بالفتح وسکونِ دوم وسوم۔ فارسیوں نے بفتحِ اول وضمِ دوم بھی کہا ہے:

اگر سہوی بود در وی عفو کن
دریدہ پردۂ کارم رفو کن

ناصر خسرو

میر انیس کا مصرع ہے:

ہاتھوں کو بھی جوڑا کہ عفو کیجیے تقصیر

معلوم نہیں سعدی اور انیس نے عَفُو باندھا ہے، یا عَفْو۔ یہ دونوں معجز بیان شاعر بڑی آسانی سے مُجمَل کا لفظ لاسکتے تھے۔لیکن شاعر اکثر اپنی مطلق العنانی کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں، جسے Poetic License کہتے ہیں۔

عربی محاورہ ہے: یجوز للشاعر مالا یجوز لغیرہ

جو اور کو جائز نہیں جائز ہے شاعر کے لیے

Fallon: afv. afu(pop--- Popularly)

بہر حال صحیح لفظ عَفْو ہی ہے، ان شاعروں کی من مانیوں کے باوجود!

قرآن کے کس نسخے میں آپ نے ترازی (۶) کا لفظ دیکھا ہے؟ صرف الفرائد الدّریہ میں یہ لفظ ملتا ہے اور اس کے معنی لکھے ہیں: Balance, Scales، یعنی ترازو سے مشتق بتایا ہے۔ واللہ اعلم!

مزاج اُمید کہ بخیر ہوں گے۔

نثار صاحب سے سلام و نیاز کہیں۔

لاہور — خاکسار

۲۷۔ ستمبر ۲۰۰۳ء — خالد

[خط نمبر ۱۸]

ساحر صاحب!

السلام علیکم۔ نوازش نامہ ملا۔

ممنون ہوں گا، اگر آپ اُن مقامات کی نشاندہی کر دیں، جہاں پروف کی اغلاط رہ گئی ہیں (۱)۔

جب آپ مولانا ارشد (۲) کے ساتھ میرے ہاں آئے تھے تو کیا میں نے آپ کو کتاب العلم (۳) پیش کی تھی؟

لاہور — خاکسار

۲۵۔ اکتوبر ۲۰۰۳ء — خالد

[خط نمبر ۱۹]

ساحر صاحب!

السلام علیکم۔ اغلاط نامہ دیکھا تو بے اختیار مصحفی یاد آئے:

مصحفی ہم تو سمجھتے تھے کہ ہو گا کوئی زخم
تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا

آپ نے جس باریک بینی اور دیدہ ریزی سے کتاب کو پڑھا ہے، وہ میرے بس کی بات نہیں۔ خدا آپ کو اس کا اجر دے۔

صفحہ ۱۰۷ کا مصرع اصل میں یوں ہے:

خندہ تیرا لب زیرِ لرزشِ اک ہے

اور صفحہ ۲۳۲ کا یوں:

یہ سیرینؔ، وہ ماریہ قبطیہ ہے

دونوں بہنیں تھیں۔

ب[۱] کبھی تزئین کے لیے بھی آتی ہے: بگو(و)، برو(رو)، بتابد(تابد)، بگفت(گفت)، کبھی زائد ہوتی ہے: تابکجا (تاکجا)، تابکی (تاکی)، بجز (جز) دونوں میں بظاہر کوئی ایسا فرق نہیں۔ شیخ سعدی کے بتابد کے بؔ کو چاہے آرائشِ بیاں، یا زائد سمجھ لیں، چاہے ضرورتِ شعری۔ اُن کا ایک اور مصرع بھی ایسا ہی ہے (اور بھی بے شمار ہوں گے، اُن کے اور دوسرے شاعروں کے بھی!)

بہ دریا در منافع بی شمار است

بؔ اور درؔ دونوں میںؔ کے معنی دے رہے ہیں۔

مزاج اُمید کہ بخیر ہوں گے۔

لاہور — خاکسار

۸۔نومبر ۲۰۰۳ء — خالد

[خط نمبر ۲۰]

ساحر صاحب!

السلام علیکم۔مکتوب گرامی ملا۔

مجہول عموماً متعدی افعال کا ہوتا ہے۔دویدن: دوڑنا ___ دواندن/دوانیدن: دوڑانا ___ اس کی گردان یوں ہو سکتی ہے: دوانیدہ شدہ باشد: دوڑایا گیا ہوگا۔

میرے پاس کلیات سوداؔ کا نولکشور کا ۱۹۳۲ء کا جو مطبوعہ نسخہ ہے، اس میں یہ شعر یوں ہے:

ہوا جب کفر ثابت ہے (وہ) تمغائے مسلمانی

نہ (ٹوٹی) شیخ سے زنارِ تسبیح سلیمانی (۱)

شعر کا مفہوم مجھ پر واضح نہیں اور مزاج کیسے ہیں؟

نثار صاحب سے سلام کہیں۔

لاہور　　　　　　　　　　　　　　　　خاکسار

۱۵۔ دسمبر ۲۰۰۳ء　　　　　　　　　　　　خالد

[خط نمبر ۲۱]

ساحر صاحب!

السلام علیکم۔ نظم ملی (۱)۔

ستائش کو اہلِ نظر نے بجا طور پر بادۂ مرد آزما اور مئے مرد افگن کہا ہے۔ آپ نے نہایت مبالغہ آمیزی سے کام لیا ہے۔

میں وہ نہیں دنیا نے جو مجھ کو سمجھا
بہروپ پہ روپ کا گماں اُس نے کیا
عیب اپنے چھپاتا ہوں اپنے سے بھی
ڈرتا ہوں کہیں بھرم نہ کھل جائے مرا!

اپنے سے عیب ہوں چھپاتا اپنے

حالی

آپ کے اس لطفِ خاص کا کن لفظوں میں شکریہ ادا کروں؟ اپنی توصیفِ بے جا پر بھی دل خوش تو ہوتا ہے۔

اس کی نقل میں نے عفت (۲) کو بھیج دی ہے۔

لاہور　　　　　　　　　　　　　　　　خاکسار

۱۹۔ جنوری ۲۰۰۴ء　　　　　　　　　　　　خالد

[خط نمبر ۲۲]

ساحر صاحب!

السلام علیکم۔ مکتوبِ گرامی ملا۔

آپ کے سوالوں کے جواب حسبِ فہم و فرہنگ حاضر ہیں:

۱۔ بملازمانِ سلطان که رساند این دُعا را
که بشکرِ بادشاهی ز نظر مران خُدا را

مولانا اشرف علی تھانوی نے عرفانِ حافظ میں اس کا مفہوم یوں لکھا ہے:

''بادشاہِ طریقت، یعنی مرشد کی خدمت میں کوئی شخص یہ التماس پہنچا دے کہ خُدا تعالیٰ نے آپ کو شانِ ارشاد عطا کی ہے۔ اس کا شکر، یہ ہے کہ مسترشدین کو اپنی نظرِ توجہ سے دور نہ کیجیے، بلکہ اُن کے حال پر ہمیشہ توجہ مبذول رکھیے کہ اُن کو نفعِ کامل ہو''۔

قاضی سجاد حسین نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

''بادشاہ کے ملازموں کو یہ التجا کون پہنچائے کہ بادشاہی کے شکرانے میں فقیر کو نظر سے نہ ہٹا''۔

دوسرے مصرعے میں جو الفاظ ہیں، وہ ملازم بادشاہ سے کہنے کی کیسے جرأت کر سکتے ہیں؟ تخاطب بادشاہ سے ہے، مگر بالواسطہ، جیسے: نظامِ حیدر آباد کو درباری بندگانِ عالی کے لقب سے مخاطب کرتے تھے۔ مطلب یہ کہ بادشاہ کے حضور میں کوئی یہ عرضِ نیاز پہنچا دے (۱)۔

۲۔ آرتی بروزنِ فاعلن (۲)

آرتی بج رہی کہیں ٹھن ٹھن
کہیں گھنٹوں کی ہو رہی چھن چھن

نظیر

۳۔ کسر بروزنِ فعل (۳)

جنوں میں کسر یہ بڑی رہ گئی
کہ بیڑی پڑی ہتھکڑی رہ گئی

وجاہت

اتنی ہی تو بس کسر ہے تم میں
کہنا نہیں مانتے کسی کا

داغ

اے سوزِ عشق پنہاں اب قصہ مختصر ہے
اکسیر ہو چلا ہوں اک آنچ کی کسر ہے

عزیز

۴۔ کوئی: فعلن، فاع، فعل ___ تینوں درست (۴)

دکھا دیں گے صفِ محشر میں ہم کتنے نکلتے ہیں
جو پوچھا اُس نے کوئی ہے مرے اُمیدواروں میں

داغ

غیر سیراب مے وصل ہوں ہم کوئی نہ ہوں
بانٹ لے کوئی کسی کا درد یہ ممکن نہیں

ناسخ

مری بہار نہ ٹھہری کوئی خزاں ٹھہری

۵۔ مے مفرد ہو تو مے ۔ م ے : فع
اگر موصوف ہو تو مئے ۔ م ء ے : فعل (۵)

به می سجاده رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید — حافظ

ایں می از قحطِ خریداری کہن خواھد شدن — غالب

بے مے کسے ہے طاقتِ آشوبِ آگہی؟ — غالب

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو؟ — غالب

لعلِ بتاں خوش است و مئی خوشگوار هم — حافظ

کون ہوتا ہے حریفِ مےِ مرد افگنِ عشق — غالب

یہ رنج کہ کم ہے مےِ گلفام بہت ہے — غالب

۶۔دست بگیرد سرِ شمشیرِ تیز (پورا شعر کیا ہے اور اس کا سیاق وسباق کیا ہے؟) بظاہر سرِ شمشیر سے مراد قبضہ یا دستہ ہی ہوسکتا ہے۔ دھار والے حصے پر ہاتھ رکھنے، یا اُسے پکڑنے کی کوشش سے کیا ہاتھ چر کر لہولہان، یا یک قلم قطع ہی نہیں ہو جائے گا؟ (۶)

۷۔ برات بروزنِ نجات (۷)

اس لفظ کو بارات لکھنا، یا بولنا صحیح نہیں۔ نور اللغات

بارات غلط ہے۔ قائد اللغات (نشتر جالندھری)

بارات کہنا غلط ہے۔ معین الشعراء (آفاق بناری)

'خدا خدا کرکے دلھن کے مکان پر برات پہنچی'۔ فسانۂ آزاد

ساتھ حوروں کے ہے شہید ترا
کیا عدم کو برات جاتی ہے

داغ

سوالِ بوسہ کو ٹالا جوابِ چینِ ابرو سے
براتِ عاشقاں بر شاخِ آہو اس کو کہتے ہیں

ذوق

پہنچے براتیوں کے نہ ہرگز ہجوم کو

انجم سے لاکھ جمع کرے لشکر آسماں

ذوق

لیکن بارات بھی رائج العام ہے۔ پنجابی میں البتہ برات (جج) آگئی، کہتے ہیں۔

Platts نے دونوں اندراج دیئے ہیں۔

۸۔ نا کتخدائی کا مذکر داماد کیسے ہوگا؟ ویسے آپ کی بات میں وزن ہے۔ (۸)

۹۔ ہندو کی مؤنث ہندنی ہوگی، ہندو عورت

ہندوانی: صفت ہندوؤں کا، جیسے: ہندوانی رسمیں (۹)

۱۰۔ مشرق میں اصول دین بن جاتے ہیں
مغرب میں مگر مشین بن جاتے ہیں
رہتا نہیں ایک بھی ہمارے پلے
واں ایک کے تین تین بن جاتے ہیں

آپ نے لکھا ہے: اضافت کے بغیر مصرع (پہلا) بڑا واضح اور صاف ہے۔ اس کا مطلب آپ کیا نکالتے ہیں؟ کون بن جاتے ہیں؟ (۱۰)

۱۱۔ محاورے کو محاورتاً ہی استعمال ہونا چاہیے، مگر اشہب خامہ کی ہرزہ تازی کو کون روکے؟ (۱۱)

۱۲۔ لغزش قلم کے سوا اسے کیا کہا جاسکتا ہے؟ قافیوں کے جبر ہی نے بے قافیہ نظم نگاری کو رواج دیا (۱۲)۔

۱۳۔ اس سے بہتر تقطیع کیا ہوگی، مگر بحر کو نام کیا دیں گے؟ (۱۳)

ڈاکٹر نثار صاحب سے سلامِ شوق کہیں۔

لاہور — خاکسار

۵۔ فروری ۲۰۰۴ء — خالد

[خط نمبر ۲۳]

برادرم ساحر صاحب!

السلام علیکم۔ ۹ / مارچ کا مکتوب گرامی ملا۔

اپنی شاندار کامیابی اور ترقی پر دلی مبارکباد قبول کریں۔ دُعا ہے کہ یہ مزید ترقیوں اور کامیابیوں کا پیش خیمہ ثابت ہو۔

ا۔ مغلوب کے تلوار سونتنے کا تو شعر میں کوئی قرینہ نہیں (۱) اور پھر حملے کے وقت وہ تلوار کہاں سے لائے گا؟ وہ تو وار سے بچنے اور اُسے روکنے کے لیے اضطرارا تلوار کو پکڑنے کی کوشش کرے گا۔ دھار پر ہاتھ رکھ کر تو اُلٹا شمشیر زن کے کام کو آسان کرے گا۔ مولوی عبدالباری آسی کی مترجمہ گلستان میں جس پر ڈاکٹر محمد عبدالاحد خلیل (لیکچر رشعبۂ فارسی و اردو لکھنؤ یونیورسٹی) نے نظرِ ثانی کی ہے۔ اس شعر کا ترجمہ یہ درج ہے: ''ضرورت کے وقت جب بھاگنے کا موقع نہیں رہتا، تو ہاتھ تیز تلوار کا قبضہ تھام لیتا ہے۔''

۲۔ اقبال کے کلام میں شامل غالبًا (نہیں، بلکہ یقینًا) یہ اکیلی رباعی ہے، یعنی یہ صحیح معنوں میں رباعی کی بحروں میں ہے۔ ورنہ اقبال نے اپنے بحرِ ہزج مسدس میں لکھے قطعات کو ہر جگہ رباعی کا نام دیا ہے۔ ایک رباعی اقبال نے انجمنِ حمایتِ اسلام کے جلسے میں مولانا حالی کا کلام پڑھنے سے پہلے کہی تھی:

میں کشورِ شعر کا نبی ہوں گویا
نازل ہے مرے لب پہ کلامِ حالی (۲)

میرے پاس شیخ غلام علی اینڈ سنز کی شائع کردہ کلیات میں جو علامہ کے خلف الرشید ڈاکٹر جاوید اقبال نے 'تصحیح کے لیے خاصی سرگردانی' کرنے کے بعد مولانا غلام رسول مہر کی رہنمائی میں شائع کروائی ہے۔ بانگِ درا میں شامل ظریفانہ کلام کے آغاز میں یہ رباعی ہے (گو رباعی کا عنوان نہیں)، اس میں اصولِ دین اضافت کے ساتھ چھپا ہے۔ آپ کے بقول: اگر یہ مرکب اضافی نہیں تو کون سے اصول یہاں دین بن جاتے ہیں اور مغرب میں مشین؟ اگر اضافت ہو (جیسے کہ ہے) تو کون، یا کیا اصولِ دین بن جاتے ہیں؟ اضافت کے ساتھ نون کا اعلان بھی محلِ نظر ہے۔ کچھ لوگوں نے کلامِ اقبال کی شرحیں بھی لکھی ہیں (میری نظر سے نہیں گزریں)، ان میں جناب یوسف سلیم چشتی کی شرح خصوصاً قابلِ ذکر و توجہ ہے۔ ان میں

دیکھیں، یا براہِ راست ڈاکٹر جاوید اقبال سے معلوم کریں، جنھوں نے اضافت ڈلوائی ہے، بلکہ بقول اُن کے اولین نسخوں سے (جو علامہ کی زیرِ نگرانی شائع ہوئے تھے) مقابلہ کر کے کتابت بھی کے مطابق کروائی ہے (۳)۔

مجھ پر پہلے تین مصرعوں کا مفہوم بالکل واضح نہیں!

مزاج اُمید ہے بخیر ہوں گے۔

لاہور — خاکسار

۱۵۔ مارچ ۲۰۰۴ء — خالد

[خط نمبر ۲۴]

ساحر صاحب!

السلام علیکم۔ مزاج گرامی؟

محبت نامہ مل گیا تھا۔ شکریہ

ہم لوگ ڈیفنس ہی میں کرائے کے نئے مکان ۶۷۔ ڈی میں منتقل ہو گئے ہیں۔

فون: ۵۷۴۰۲۴۱

نثار صاحب سے سلام کہیں۔

لاہور — خاکسار

۱۷۔ مئی ۲۰۰۴ء — خالد

[خط نمبر ۲۵]

ساحر صاحب!

السلام علیکم۔ مزاج بخیر؟

آپ نے ایک بار اقبال کی اس رباعی:

مشرق میں اصول دین بن جاتے ہیں

____ کا مفہوم مجھ سے پوچھا تھا۔ میں نے اپنی کوتاہی فہم کا اعتراف کیا تھا۔ مولانا

غلام رسول مہر کی مطالب کلامِ اقبال اردو نظر آئی تو میں نے سوچا، اس میں دیکھیں مولانا نے کیا معنی لکھے ہیں؟ انھوں نے جو مطلب نکالا ہے، یہ ہے:

''اہلِ مشرق کی یہ حالت ہے کہ اصول کو دین کی حیثیت دے دیتے ہیں، یعنی اُن کی قدر بہت کی جاتی ہے، لیکن اُن پر عمل نہیں کیا جاتا۔ مغرب میں اصول پر مشین کی طرح عمل ہوتا ہے۔ ہم خُدا کو ایک ماننے والے ہیں، مگر وہ بھی ہمارے پلّے نہیں رہا۔ مغرب والوں نے ایک کے تین خدا بنا لیے اور اُن پر بھی ان کا ایمان پکّا ہے۔ آخری شعر میں اقبال نے توحید اور تثلیث سے فائدہ اٹھایا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ یہاں قول ہے اور عمل نہیں، وہاں اگرچہ عقیدہ غلط ہے، مگر اُس پر عمل ہو رہا ہے۔ نتیجہ یہ کہ ہم صحیح عقیدے کے باوجود کامیاب نہیں، وہ غلط ہوتے ہوئے بھی کامیاب ہیں۔
ایک معنی یہ بھی نکلتے ہیں کہ ہمارے پلّے تو ایک روپیہ بھی نہیں رہا اور وہ ایک کے تین تین بنا رہے ہیں''۔

اور کیا حال احوال ہیں؟ ان دنوں کیا مصروفیت ہے؟

نثار صاحب سے سلام کہیں!

خاکسار

خالد

لاہور

۲۱۔ جون ۲۰۰۴ء

[خط نمبر ۲۶]

ساحر صاحب!

السلام علیکم۔ مزاج بخیر؟

سوال نامہ ملا۔ جواب حسبِ توفیق حاضر ہیں:

۱۔ درمیانی نون غنہ متحرک کیسے ہوگا اور اس سے کیا فائدہ مترتب ہوگا؟ دو چار مثالیں دیں تو بات واضح ہو اور اس پر مزید حاشیہ آرائی کی جا سکے (۱)۔

۲۔ متأثر، متأمل (۲) کا ہمزہ اور تشدید کے ساتھ تلفظ فعلاتن کے وزن پر ہے۔ اگر آپ ہمزہ اُڑا دیں گے اور اس کے ساتھ ہی شد بھی، جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے تو یہ صرف متاثر اور متامل رہ جائیں گے، لنڈورے بروزن فعولن (اور بے معنی)۔ یہ زبان کا نکھار ہے، یا بگاڑ؟ رشید حسن خاں صاحب کا موقف میرے سامنے نہیں۔ معلوم نہیں، انھوں نے اس کانٹ [کذا: کاٹ] چھانٹ کا کیا جواز پیش کیا ہے؟ اگر آپ کے پاس متعلقہ تحریر ہو تو بھجوائیں (۳)۔

۳۔ کیوں نہیں ہو سکتی؟ (۴) زمانے کے بدلنے سے کیا اہلِ زمانہ اور اُن کے اوضاع و اطوار نہیں بدلیں گے؟

میرے تغیرِ رنگ پر مت جا
انقلابات ہیں زمانے کے

در مع الدھر کیفما دار

۴۔ ڈیوڑھی (۵) کا وزن فعلن ہے:

صبح لے جاتا ہے رقعہ شام کو لاتا ہے پھیر
یار کی ڈیوڑھی تجھے کیا نامہ بر! ملتی نہیں؟

رند

ہنگامۂ حشر کو جو دیکھا
ڈیوڑھی سمجھا میں تیرے در کی

امیر مینائی

۵۔ تأمّل بروزنِ فعولن ہے (۶) تجمّل، تحمّل، توسّل، توکّل کی طرح

۶۔ قراءت : قرأت (۷)

نور اللغات : قرأت (بروزنِ فعلن) ــــــ علمِ تجوید، جس میں مخارج اور تلفظ حروفِ عربی سے بحث کی جاتی ہے۔

قراءت : پڑھنا (بروزنِ فعولن)

فرہنگِ آصفیہ : قرأت

فرہنگِ کارواں : قراءت

عربی تلفظ : قراءَت

اردو تلفظ : قرأت (اردو میں عربی الفاظ کا تلفظ) ______ قیوم ملک

سٹینگاس : Qira'at (قراءت)

نکاتِ فن (آغا صادق) : قراءت بروزنِ تمازت ، قیامت درست ہے۔ ر کے سکون کے ساتھ بروزنِ قسمت غلط ہے۔

آج کل عام طور پر یہی رائے ہے۔ میں خود اس کا حامی ہوں:

لم پا سکے ہر کوئی نہ فحوائے سخن کی
بے دید قراءت سے نہ مخفی ہو ہویدا

اقبال نے البتہ قرأت نظم کیا ہے:

تو می دانی کہ سوزِ قرأتِ تو
دگرگوں کرد تقدیرِ عمر را

ارمغانِ حجاز

۷۔ سائل سے زیادہ نہیں مسئول کو معلوم (۸)

۸۔ واؤ معدولہ (۹) کے بارے میں مولوی عبدالحق ، قواعدِ اردو میں لکھتے ہیں:

"فارسی میں چند لفظ ایسے ہیں کہ ان میں واؤ ساکت ہوتی ہے، یعنی تلفظ میں ظاہر نہیں کی جاتی۔ اسے واؤ معدولہ کہتے ہیں، مگر یہ واؤ ہمیشہ خ کے بعد آتی ہے۔ ایسے لفظ بہت کم ہیں اور وہ یہ ہیں : خود، خویش، خوے، خوش، خوردن (اور اس سے جو لفظ بنتے ہیں)، خواندن (اور اس سے جو لفظ بنتے ہیں)، خواستن (اور اس سے جو لفظ بنتے ہیں)۔ خواب، خواہش، خواہر، خواجہ، خوارزم میں واؤ کی نصف آواز ظاہر ہوتی ہے۔ اس قسم کی واؤ کے بعد الف

ہوتا ہے؛ اس قسم کی واوٗ کے نیچے خط کھینچ دیا جاتا ہے، تا کہ امتیاز ہو سکے"۔

میرے خیال میں یہ واوٗ صرف مذکورہ بالا فارسی الفاظ ہی سے مخصوص ہے اور تنہا فارسی زبان ہی سے (۱۰)۔

۹۔ ابولہب کی کنیز (۱۱) کا نام ثُوَیبہ تھا، بروزنِ زُبیدہ۔ ثوبیہ (بروزنِ فوزیہ) جو مروج ہے، غلط العام ہے:

حلیمہ سے پہلے ثویبہ نے کی اس کی چندے رضاعت

اسی کے صلے میں کٹا جس کا طوقِ غلامی

وہ خوش بخت باندی

جہنم کے کندے، سیہ کار، ننگِ عرب بولہب کی! عبدہ (۱۲)

(میرا یہ نعتیہ مجموعہ آپ نے دیکھا ہے؟ یہ مجموعہ تو نہیں، البتہ ایک ہی مسلسل آزاد نظم ہے۔ ____ فعولن فعولن ____)

۱۰۔ فارسی میں اس کے لیے دو لفظ ہیں: رشک ناک اور رشکین۔

ٹھیٹھ اردو میں غالباً الگ سے کوئی نہیں (۱۳)۔

ہندی میں اس کے لیے ایرشالو کا لفظ ہے، لیکن وہ بھی زیادہ تر حاسد کے معنی دیتا ہے۔

عربی میں Envious کا متبادل سب جگہ حاسد، یا حسود ہے۔ Envy کے لیے حاسد یا غبط کا لفظ ہے۔

غبط، غبطہ: wish, desir for the happiness of another in that envy

اس کا فاعل غابط ہے: Emulating in the grudge

آج کل کیا کر رہے ہیں، منصبی مصروفیات کے علاوہ، یا ساتھ ساتھ؟

نثار صاحب سے سلام کہیں۔

لاہور

خاکسار

۲۱۔ جولائی ۲۰۰۴ء (تحریر) خالد

آپ کا خط کل ۲۱۔ جولائی کو ملا تھا۔

۲۲۔ جولائی ۲۰۰۴ء (حوالۂ ڈاک)

[خط نمبر ۲۷]

ساحر صاحب!

السلام علیکم۔ بہت عرصے کے بعد آپ کی دل نواز تحریر نظر آئی۔ آج کل زیادہ مصروف ہیں؟ منصبی فرائض کیسے انجام پا رہے ہیں؟ لکھنے لکھانے کا سلسلہ کیسے جا رہا ہے؟

دونوں نظموں میں بے حد مبالغہ ہے۔ میں پہلے بھی اظہارِ تشکر کے ساتھ آپ دونوں دوستوں کو یہ بتا چکا ہوں (۱)۔

اب آپ کا سوال نامہ اور اس کا جواب:

۱۔ پلیٹس: hinna vulg. hina

سٹینگاس: Hinna (vulg. hina): حنّاء

نور اللغات: حنا: بالکسر و تشدید نون عربی ہے۔ فارسی (اہلِ فارس) بغیر تشدید استعمال کرتے ہیں۔

الفرائد الدریہ : حِنّاء

القاموس العصری: حِنّاء

بیان اللسان : حِنّاء

لسان العرب : حِنّاء، حِنّان (۲)

۲۔ باغبان، باغ پیرا بھی ہوتا ہے۔ باغ کو کانٹ [کذا: کاٹ] چھانٹ کر آراستہ کرنے والا۔ مالی کیا شاخوں سے پھول چُن کر گلدستے نہیں بناتے؟ (۳)

۳۔ آؤ ہم پھول پھینکیں (بکھیریں) اور راہ میں عرقِ گلاب چھڑکیں (۴)۔

گل پھینکے ہیں اوروں کی طرف اور ثمر بھی (۵)

بہارو پھول برساؤ ____ گل افگنی کرنا، گل پاشی کرنا، گل افشانی کرنا ____ پھول

بکھیرنا، پھینکنا

ابرِ کہسار ہوں گل پاش ہے دامن میرا

گلاب: گلاب کا پودا یا پھول

گلاب کے پھولوں کا عرق

گل آب: آبِ گل، عرقِ گل

میں غش سے اس کے چھڑکتے ہی ہوشیار ہوا
کسی صنم کا پسینا ہے یہ گلاب نہیں

جو دوں ترے لبِ میگوں کو برگِ گل سے مثال
کھنچے شراب گلوں کی گلاب کے بدلے

۴۔ ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی کا ترجمہ شستہ اور متن کے مطابق ہے (۶)۔

۵۔ ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی (۷)

۶۔ از هیچ نقش غیرِ نکوئی ندیده ای
ای دیده محوِ جلوهٔ زیبای کیستی؟ (۸)

نکوئی: خوبی، خوب صورتی

اے آنکھ! تو نے ایسا کوئی نقش دیکھا، جو جاذب و زیبا نہ تھا (تو نے جو بھی نقش دیکھا، وہ نظر فریب تھا)۔ اب اس جشنِ رنگ و بو میں تو کس خاص خوش جمال کے جلوے میں گم ہے؟ کیا باقیوں کے نظارے سے تو سیراب نہیں ہوئی؟

اُمید ہے آپ ہر طرح خیر و عافیت سے ہوں گے۔

لاہور — خاکسار

۱۳۔ دسمبر ۲۰۰۴ء — خالد

[خط نمبر ۲۸]

ساحر صاحب!

السلام علیکم۔ بہت زمانے کے بعد آپ کی تحریرِ دل پذیر نظر آئی۔ آج کل کیا کر رہے ہیں؟ کیا تھیسس پر کام جاری ہے؟ اس کے علاوہ بھی کوئی مشغولیت ہے؟ اسلام آباد کی علمی و ادبی مجالس میں شریک ہونے کا موقع ملتا رہتا ہے؟ کیا یونیورسٹی کی اپنی کوئی بزمِ ادب وغیرہ نہیں، جہاں اہلِ ذوق ہفتے دو ہفتے بعد اپنے رشحاتِ فکر پیش کرتے اور ان پر بحث و تمحیص ہوتی ہو؟

آپ کے سوالات کا بحدِ استطاعت جواب حاضر ہے۔

۱۔ صحیح تلفظ تو حَسَنَین (۱) ہی ہے، جیسے: عُمَرَین، شَیخَین (حضرت صدیقِ اکبر و عمرِ فاروق) اور طَرَفین، لیکن انھیں عام طور پر روا روی میں حَسْنین، عُمْرین اور طَرْفین ہی بولا اور لکھا جاتا ہے اور کوئی اس پر چیں بہ جبیں نہیں ہوتا۔ تلفظ کا آج کل ویسے ہی خدا حافظ ہے۔

۲۔ آپ کا خیال صحیح ہے۔ شاعر سے دونوں شعروں میں سہو ہوا ہے (۲)۔

۳۔ پسپا (۳) کے الف کا سقوط ہو،ہے اور یہ تو آج کل عام ہے۔ فیض کا مصرع ہے:

تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے

دنیا کا الف زبردستی گرایا گیا ہے، حالانکہ اس کی جگہ دہر کا لفظ بہ آسانی آ سکتا تھا۔

"ویسے اسمائے عربی و فارسی کے آخر میں الف کا سقوط بغایت قبیح ہے"۔

۴۔ جواد اور جواد دونوں ہم معنی ہیں (۴)۔

۵۔ سلخ (۵): پوست اُتارنا، کھال کھینچنا۔ "یہ زحاف اواخرِ مصاریع کے واسطے مخصوص ہے۔ جس رکنِ آخر کے آخر میں دو سبب خفیف، وتد مفروق کے بعد واقع ہوں تو ان دونوں کو نکال کر وتد کے حرفِ آخر کو ساکن کرنا۔ بدیں حساب فاع لاتن (منفصل) سے فاع بہ سکونِ آخر رہے گا۔ اس کے مزاحف کو مسلوخ کہتے ہیں، مگر دراصل یہ جب اور وقف کا اجتماع ہے"۔

اس تعریف کی رُو سے: فاعلاتن (متصل) پر تو اس کا اطلاق ہوتا ہی نہیں۔ اس کے آخر میں صرف ایک سبب ہے اور اس سے پہلے وتد مجموع۔

جَب: خَصی کرنا: ''جہاں دو سبب خفیف رکن کے آخر میں ملیں، ان دونوں کو گرا دینا۔ یہ عروض وضرب میں پایا جاتا ہے۔ جَب والے رکن کو مجبوب کہتے ہیں''۔ مفاعلین کے آخری دونوں سبب خفیف گرا دینے سے صرف مفا رہ جائے گا۔

وقف: ٹھہرنا۔ ''وتد مفروق کا متحرک دوم جو رکن کے آخر میں واقع ہو، اس کو ساکن کر دینا۔ مفعولات کے ت متحرک کو ساکن کرنا'' (مفعولان بنانا)

وقف جس رکن میں ہو، اسے موقوف کہیں گے۔

۶۔ اگر کوئی کر سکے تو کرے، لیکن نظر سے گزرا نہیں (۶)۔

۷۔ لفظ گلخن ہے۔ (۷)

۸۔ اُپج (۸): جدّت، نئی تان ــــــ اَپَچ: اَپکش، بغیر پَر کے

قائد اللغات مؤلفہ نشتر جالندھری میں اپج اور اپچ کو ہم معنی لکھا ہے۔

مرکزی اردو بورڈ کی لغت میں اُپج لکھا ہے، لیکن کبھی یہ لفظ نظر سے نہیں گزرا۔

مَقام، مُقام: قیام وجائے قیام، اقامت وجائے اقامت، منزلت، مکان، مسکن، ٹھہرنا، جگہ، سرزمین، گانے کی لے اور سُر:

نفس ہندی مُقام نغمہ تازی
تو رہ شناس نہ ای وز مُقام بے خبری

دونوں کے تقریباً ایک ہی معنی ہیں اور کوئی خاص فرق نہیں۔

معرکہ آرا صحیح ہے، اگرچہ معرکۃ الآرا بھی غلط العام ہے، جیسے: بوالہوس، فوق البھڑک، لب سڑک، ازدحام کے بجائے اژدحام، غفور ورحیم کی جگہ غفور الرحیم، چشم زدن کے بجائے چشمِ زدن، بے نیل مرام کی جگہ بڑے بڑے ادیب بے نیل ومرام استعمال کرتے ہیں۔ الف لیلہ کو لوگ دھڑلے سے الف لیلہ بولتے، بلکہ الف لیلیٰ لکھتے ہیں۔ یہ سب چلتا ہے، لیکن اپنی طرف سے حتی الوسع احتیاط کرنی چاہیے اور صحیح لفظ ہی لکھنا چاہیے، تاکہ صحیح اور غلط کا امتیاز قائم رہے۔

۹۔ مکان کی منتقلی کے بعد سے میری کتابیں سخت افراتفری کا شکار ہیں۔ اب میں بھی کوئی کتاب بہ

مشکل تلاش کر سکتا ہوں۔ ہیر (۹) کا نسخہ مجھے نہیں مل رہا، نہ ہی جناب علی عباس جلالپوری (۱۰) کی کتاب مقاماتِ وارث شاہ (۱۱)۔ استاذی پروفیسر رفیق خاور نے ہیر (۱۲) کا اردو شعر میں ترجمہ کیا تھا۔ میرے پاس نہیں۔ غالباً انھوں نے اس کی بحر سے بحث کی ہوگی۔ آپ اپنے پنجابی کے شعبے سے رجوع کریں، شاید انعام الحق جاوید (۱۳) اس سلسلے میں رہبری کر سکیں۔

۱۰۔ ایطائے جلی ہے (۱۴) لیکن شاعر اس کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔

مہر دو لفظ ہیں۔ حق مہر اور مہر (محبت)، معلوم نہیں شاعر نے کون سا لفظ استعمال کیا ہے، لیکن مہر بھی ہو تو کیا کر سکتے ہیں؟ آج کل تو ایسے قافیے عام ہیں۔

۱۱۔ صوتی اعتبار سے تو جائز ہونا چاہیے (۱۵)۔

۱۲۔ اس وقت طبیعت حاضر نہیں۔ بیدل (۱۶) کا معاملہ موخر کر دیں۔

جناب نثار قریشی اب کیسے ہیں؟ ان کی عیادت کو جائیں تو میری طرف سے بہت بہت مزاج پرسی کریں۔ شافیٔ مطلق انھیں شفائے عاجل و کامل عطا کرے۔

ناشاد صاحب (۱۷) بہت دن ہوئے آئے تھے۔ بتا رہے تھے کہ آپ ان کے سگے ماموں ہوتے ہیں۔ ماموں، بھانجا دونوں علم کے شیدائی اور صاحبِ قلم ہیں۔ مبارک ہو۔ یہ بھی قران سعدین ہے۔

خالد

لاہور

۲۳۔ مئی ۲۰۰۵ء

[خط نمبر ۲۹]

ساحر صاحب!

سلام ٌعلیک۔ مزاج کیسے ہیں؟

گرامی نامہ ملا۔ میں حیران ہوں کہ آج کل سب لوگ کیا علماء؛ کیا عامی؛ کیا پروفیسر؛ کیا کرخندار، القاب (Salutation) میں پورا نام لکھتے ہیں۔ بقولِ حالی:

خط میں لکھا ہے وہ القاب کہ عنواں میں نہیں

یہ جدت یا بدعت سخت ناگوارِ خاطر ہے۔ میں تو اسے بدمذاقی سمجھتا ہوں۔ پہلے انگریزی اور اردو خطوں میں ہمیشہ تخلص اگر ہے تو اس سے، نہیں تو نام کے آخری لفظ سے مخاطب کیا جاتا تھا۔ جیسے اس ملک سے خُدا حافظ کا لفظ غائب ہو گیا اور اس کی جگہ پُر اسرار طور پر اللہ حافظ آ گیا ہے، ایسے ہی یہ پورے نام کا ملک گیر گھپلا ہے [1]۔

مجھے خالد صاحب کہہ کر مخاطب کیا جاتا ہے۔ خط میں بھی تخاطب ایسے ہی ہونا چاہیے۔

آپ کے سوالوں کے جواب اپنے فہم و علم کے مطابق پیش کرتا ہوں:

۱۔ ان کے ساتھ سپہر، سماء، آکاش، امبر اور گگن بھی شامل کر لیں۔ یہ سب ہم معنی ہیں [2]۔

چرخ کے معنی: گھومنے والا، کنوئیں کی چرخی، پہیا ــــــ چرخِ دولابی (چرخی کی طرح گھومنے والا)، چرخِ چنبری (گول دائرہ) چنبر ــــــ چرخِ گرداں

روز و شب چرخ ہنڈولے کی طرح پھرتا ہے

آتش

گردوں: گرداں، چھکڑا، رتھ، بہلی، عرابہ، چرخی، گنبدِ گرداں (گردندہ)

فلک: مدار، دائرہ، گھیرا، چکر: کل فی فلکٍ یسبحون (قرآن: ۳۶:۴۰)

آسمان: آسیا + مان = چکی کی مانند گرداں

چکی ہمارے پیسنے کو آسماں ہوا

آتش

سماء: والسماء ذات الرجع (قرآن: ۸۶:۱۱) ــــــ قسم ہے چکر مارنے والے آسمان کی۔

گردش ان سب کی مشترک صفت ہے، یعنی سب تختِ رواں (روندہ) ہیں۔

۲۔ خواتین، خوانین، قوانین، دواوین، موازین، طواسین ــــــ سب بروزنِ مفاعیل ہیں، کسی میں واوِ معدولہ نہیں [3]۔

۳۔ صبحدم میں صبح کو صبح تو نہیں لکھیں گے، [4] البتہ تلفظ میں ح خود بخود متحرک ہو جائے گی اور ترکیب کا وزن ہوگا: ــــــ فاعلن ــــــ صبحِ صادق، صبحِ عید، صبحِ خیز

حقی صاحب نے فرہنگِ تلفظ (۵) میں خالی باغ نہیں، بلکہ باغٍ لکھا ہوگا، نونِ تنوین کے ساتھ، مگر طباعت میں تنوین اُڑ گئی ہوگی (۶)۔ (حسنِ ظن یہی توجیہہ کرتا ہے۔)

فمن اضطر غیر باغٍ و لا عادٍ فلا اثم علیه (قرآن: ۲:۱۷۳)

باغٍ: نافرمانی (تعدی، بے حکمی، سرکشی، بغاوت) کرنے والا

عادٍ: حد سے تجاوز کر جانے والا

۴۔ فرق تو کوئی نہیں، البتہ کچھ لوگ خورد پر خور کو ترجیح دیتے ہیں (۷)۔

کبھی اشک پینا، کبھی رنج کھانا
یہی عشق میں ہے خور و نوش اپنا (ناسخ؟)

خور: خورشید کا مخفف بھی ہے۔

پابند ہو تجارتِ سامانِ خورد و نوش

اقبال

۵۔ دو تلفظ (۸) والے بہت سے الفاظ ہیں اور دونوں طرح صحیح ہیں۔ غالباً پہلے بھی کبھی میں ان کے بارے میں لکھ چکا ہوں۔ اب دوبارہ جو یاد آتے ہیں، لکھتا ہوں:

برہنہ = برہنہ	روح القدس = روح القدس
نغمہ = نغمہ	برہمن = برہمن
گلستاں = گلستاں	نظارہ = نظارہ
گرسنہ = گرسنہ	شکر = شکر
آئینہ = آئنہ	خضر = خضر
اُمید = اُمید	عقب = عقب
شبہ = شبہ	جبرئیل = جبریل
تنور = تنور	زقوم = زقوم
طرح = طرح	حمق = حمق

زردشت = زرتشت

۶۔ باہر : اندر کی ضد = بیرون [۹]

باہر : روشن، آشکارا، عیاں ____ ظاہر و باہر

۷۔ ہوجی [۱۰] ہوجیے، ہوجایے، دونوں ہوسکتا ہے۔ دوسرے مصرع کے اٹھیے اور جایے کی نسبت سے۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ فرہاد کی زیارت کو جی جاہے؛ طبیعت چاہے کہ فرہاد کی زائر بنے، یعنی اسے دیکھے کہ کس حال میں ہے؟

۸۔ دونوں [۱۱] معنی ہوسکتے ہیں: خُوناب = خُونابہ = خُون + آب = خونباب، خونابہ

خون آلود پانی، خون کے آنسو، اشکِ خونیں

چشمِ یاراں میں مرے بعد نہ خوناب اُترا
یاد آیا نہیں پھر دھیان سے جو خواب اُترا

آتش

طشتِ گردوں سے ٹپکتا ہے شفق کا خونِ ناب

اقبال

____ خالص، گاڑھا خون

۹۔ مولانا [۱۲] نے صحیح باندھا ہے۔ ہندی الفاظ کی درمیانی یائے مجہول وزن میں ساقط ہوجاتی ہے۔ غالباً اس کے بارے میں بھی میں پہلے لکھ چکا ہے، مثلاً:

پیار = پار	پیاس = پاس
پیاسا = پاسا	دھیان = دھان
گیان = گان	تیاگ = تاگ
شیام = شام	جیوتش = جوتش
بیاھی = باھی	گیات = گات
جیوتی = جوتی	کیا = کا

ستیہ = ست ،لیکن اگر یائے معروف ہو، تو قائم رہے گی: سیا، دیا، لیا، کیا وغیرہ

ر بھی عموماً گر جاتی ہے:

کرشن = کشن　　　　کرھن = کہن

ترشنا = تشنا　　　　پریم = پیم

پریتم = پیتم　　　　پریت = پیت

واؤ مجہول بھی:

جوار بھاٹا = جار بھاٹا　　　　لکشمن = لچھمن بن جائے گا۔

راکشش، راکشس = راچھس، راکس　　　　کشیتر = شیتر، چھیتر، کھیتر

لکشمی = لچھمی　　　　مدھوشالا = مدھ (مد) شالا وغیرہ وغیرہ

۱۰۔ بلنیہ ۔ بطلیموس ۔ قرطبہ ۔ اندلس ۔ سکرنو ۔ ضحاک (۱۳)

۱۱۔ اصل لفظ تو کافر ہے: انکار کرنے والا، کفر کا مرتکب، خدا کا منکر، مگر شاعروں نے جن میں غالب، ذوق، داغ نمایاں ہیں، ضرورتِ شعری کے تحت اسے کافر بھی باندھا ہے (۱۴)۔

۱۲۔ مثل ہے کہ: یجوز للشاعر مالا یجوز لغیرہ

جائز ہے شاعر کے لیے جائز نہیں جو اور کو

ضرورتِ شعری کے لیے بعض اوقات ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن اور مشدد کو مخفف کرنا پڑتا ہے۔ تلفظ کا اختلاف بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔ قافیہ شاعر کا قافیہ تنگ نہ کرے تو کیا کرے:

کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے

اسے شاعرانہ رخصت، یا استحقاق، یا ہیکڑی کہہ لیجیے۔

کہ: الشعراء امراء الکلام ______

آج کل لکھنے پڑھنے کا کیا کام کر رہے ہیں؟

نثار صاحب سے سلام شوق کہیں۔

لاہور　　　　　　　　　　　　　　　　　　خاکسار

۷۔جون ۲۰۰۶ء　　　　　　　　　　　　　　　　خالد

[خط نمبر ۳۰]

ساحر صاحب!

سلام علیکم۔آپ ہمیشہ اَپج کی لیتے ہیں (۱)۔

میں نہیں سمجھتا تھا کہ میرے خطوں کی آپ اشاعت کے بارے میں سوچیں گے۔ان میں ایسی کوئی خاص بات بھی نہیں۔

بہر حال ہر کوئی اپنا اپنا کام کر رہا ہے اور اس میں خوش ہے۔خطوں میں کچھ لفظ تصحیح طلب ہیں۔میں نے الگ سے ان کی فہرست بنا دی ہے۔

اپنے حصے کو آپ خود دوبارہ غور سے دیکھ لیں (اور میرے کو بھی)!

ناشاد کو آپ نے کس مشقت میں ڈال دیا؟ (۲) خدا اس کے لیے (اور ہم سب کے لیے) آسانیاں پیدا کرے۔

لاہور　　　　　　　　　　　　　　　　　　خاکسار

۱۲۔دسمبر ۲۰۰۷ء　　　　　　　　　　　　　　　خالد

[خط نمبر ۳۱]

ساحر صاحب!

چند روز ہوئے میں نے آپ کو خط لکھا تھا،جس میں چند تصحیح طلب الفاظ کی نشاندہی کی تھی۔

اب دو لفظ اور نظر آئے (شاید اور بھی ہوں)!

صفحہ ۲۳ کی چھٹی سطر میں پہلا لفظ سرسوتی ہے،رسرتی نہیں۔

صفحہ ۴۵ پر دوسری سطر میں پہلا لفظ جوار ہے،جواڑ نہیں۔

کچھ اور ہندی الفاظ اور ان کے عروضی وزن لکھ رہا ہوں۔آپ چاہیں،تو پہلوں میں شامل کر لیں (اگر گنجائش ہو اور آسانی سے ممکن ہو)،یا پھر ضمیمے کے طور پر دے دیں،لیکن یہ سب

آپ کی مرضی پر ہے۔ کوئی مناسب صورت نہ ہو، تو رہنے دیں، پھر کبھی کام آ جائیں گے:

کنوار پھل : کار پھل

کنوار پن : کار پن

کنواری : کاری

دراوڑی : ڈراوی

جوالا : جالا

دوار : دار

دوارکا : دارکا

پران ناتھ : پان ناتھ

یوگیہ ور : یوگ ور

گوردوارہ : گردوارہ

شرنگاررس : سنگھار رسنگھار رس

کاہنا (کرشن) : کہنا

دواپر یگ : داپر یگ

ترتیا یگ : تیتا یگ

سورگ : سرگ، پورا بھی آتا ہے۔

کرپال : کپال

ترشول : تشول

ڈنڑ، ڈنڈ : ڈڈ

شردھا : شدھا

چندرماں : چاندماں

تیارے : تارے

برکھش : بکھش، برچھ

دروپد : دوپد

اندرلوک : اندلوک

سوامی : سامی

سواگت : ساگت

دروپدی : دوپدی، پورا بھی آتا ہے۔

اور کیا حال احوال ہیں؟

لاہور

۲۶۔ دسمبر ۲۰۰۷ء

خاکسار

خالد

[خط نمبر ۳۲]

ساحر صاحب!

کل آپ نے حوض کے لغوی معنی پوچھے تھے (۱)۔

فرہنگِ اسٹینگاس (Steingass) نے اس کے یہ معنی دیے ہیں:

خوض.....entering,wading,fording or cressing a reiver, flenging into business, discussion deef thought, fiercing with the sword,

خوض کردن _____to agitate, to conspire, to intrigue

خوض نمودن _____ to engage in, embark, flunge into,

پلیٹس (Platts) میں یہ معنی ملتے ہیں:

خوض....to wade , to enter, diving into attention, deef thought, research

___to consider deefly, to be lost in thought or

خوض کرنا meditation

عربی لغت القرائدالدریہ کی روسے:

خاض خوضاً و خیاضا

to wade through water, to embark in(an affair)

to engage in conversation خاض فی الحدیث

خوض

اور مزاج کیسے ہیں؟ آج کل لکھنے پڑھنے کی کیا مصروفیت ہے؟

کیا ارشد محمود مستقل طور پر اسلام آباد منتقل ہو گئے؟ ان کی سکونت کا مسئلہ ان کے حسب منشا طے ہو گیا ہے؟ بچوں کو بھی لے گئے ہیں؟ آپ دونوں کو بہت سہولت ہو گئی ہو گی۔

تجدار و مریز (۲) کے بارے میں کبھی انھوں نے کچھ بتایا نہیں۔ کیا کسی نے بھی اس میں دلچسپی نہیں لی؟ میرا خیال تھا عربی دان حضرات اس کے بارے میں کچھ کہیں گے، مگر معلوم نہیں کیوں مذہبی، یا عربی علوم کی طرف جانے والے لوگ اکثر و بیشتر تنگ نظر اور تنگ دل ہوتے ہیں اور شاذو نادر ہی کسی کے بارے میں کوئی کلمہ خیر کہتے ہیں۔ شاید وہ اسے اپنی ثقاہت کے منافی سمجھتے ہیں!

لاہور　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　خاکسار

۲۲۔اپریل ۲۰۰۸ء　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　خالد

[خط نمبر ۳۳]

عزیزم!

سلام اللہ علیک! آپ کے سوالات کے جواب اپنے محدود فہم و ادراک کی حد تک:

۱۔نجد [۱]: اونچی زمیں، یہ خطہ سرزمینِ عرب کا، قیس و لیلیٰ کی عشقیہ داستان کی وجہ سے زیادہ مشہور ہے۔وہابیت کی ابتداء بھی یہیں سے ہوئی۔

شیخ نجدی: شیطان کا لقب

دردِ لیلیٰ بھی وہی، قیس کا پہلو بھی وہی
نجد کے دشت و جبل میں رمِ آہو بھی وہی
وادیِ نجد میں وہ شورِ سلاسل نہ رہا
قیس دیوانۂ نظارۂ محمل نہ رہا

اقبال

سلامٌ علیٰ نجدٍ و من حلَّ بالنجد

باز گو از نجد و از یارانِ نجد
تا در و دیوار را آری بہ وجد

یارانِ نجد: یارانِ دیرینہ، ہمدمِ کہن

با دوستانِ مشفق و یارانِ مہرباں
نبشتہ و شرابِ مروق کشیدہ گیر

سعدی

۲۔امرتا [۲]: اَمرت، آبِ بقا، آبِ حیات　（ہندی اردو ڈکشنری）

سوم رس: An Anglo Indian Dictionary: Amrita Immortality

Platts: Amrit, imrat,imrit, amarta, amarata, amritta

Fallon: Imrat, Amrit, Imrit,

نام امرت بلائے بس

Duncan Forbes: اَمر تا، اَمرِت Immirtality,امِر تا

Shakespeare: اَمرِت (Vulg. Imrit)

_____ لکھ لکھ مارے وین (۳)

۳۔ چیراں (۴): تراش، کاٹ، زخم، لباس، کنوار پن (ہندی اردو ڈکشنری)

Fallon: The opening of a wound. Maidanhood virginity, The slales or pillars used in making the triple survey point or boundaries

Platts: Slit wound. The pillars used to mark triangulan silidivisions of a field in servey.

بُرجیاں، منارے، ستون

بُرجی: پتھر کے وہ چھوٹے چھوٹے ستون جو حد بندی کے لیے گاؤں، یا سڑک کے کنارے لگاتے ہیں۔

علمی اردو لغت: گنگی

اور مزاج کیسے ہیں؟

ارشد محمود ناشاد کا عروض پر بڑا فاصلانہ مضمون (۵) الاقرباء میں دیکھا۔ ان سے سلام شوق کہیں۔

خاکسار

خالد

لاہور

۱۵۔ مئی ۲۰۰۸ء

[خط نمبر ۳۴]

ساحر صاحب!

سلامُ اللہِ علیک! آپ بھی پہیلیاں بجھواتے ہیں۔ سیاق وسباق کے بغیر محض ایک متفرق فقرے کے کلیدی الفاظ کا مفہوم کیسے متعین کیا جا سکتا ہے؟(۱)

خواجہ صاحب(۲) کس سے مخاطب ہیں؟ سلسلۂ کلام کیا ہے؟ کیا بابا صاحب سے مراد بابا فرید گنجِ شکرؒ ہیں اور مخاطب ان کے گدی نشین ہیں؟ اگر ہیں، تو اولاد سے مراد صلبی اولاد ہو سکتی ہے اور چونکہ وہ خود حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے سجادہ نشین ہیں، جو بابا صاحب کے مرید اور خلیفہ ہیں تو آل سے مراد روحانی اولاد ہو سکتی ہے۔

آپ کے پہلے خط کا جواب(۳) میں نے بہت دن ہوئے دے دیا تھا۔ معلوم نہیں، آپ کو کیوں نہیں ملا؟

نجد ـــــ جزیرہ نمائے عرب کا مرتفع علاقہ ہے، جو لیلیٰ اور مجنوں کے عشقیہ قصے کے باعث شہرت یافتہ ہے۔ وہابیت کی تحریک بھی یہیں سے شروع ہوئی تھی۔

شیخِ نجدی شیطان کا لقب بھی ہے۔

سلامٌ علیٰ نجدٍ و من حلّ بالنجد

باز گو از نجد و از یارانِ نجد
تا در و دیوار را آری بہ وجد

دردِ لیلیٰ بھی وہی، قیس کا پہلو بھی وہی
نجد کے دشت و جبل میں رمِ آہو بھی وہی
وادیِ نجد میں وہ شورِ سلاسل نہ رہا
قیس دیوانۂ نظارۂ محمل نہ رہا

اقبال

یارانِ نجد: یارانِ دیرینہ، ہم نفسانِ رفتہ، ہمدمانِ کہن۔ انیس و جلیس، مصاحبانِ قدیمی

با دوستانِ مشفق و یارانِ مهربان
نبشتہ و شرابِ مروق کشیدہ گیر

سعدی

امرتا ـــــ اَمر تا، اَمر تا، اَمر تا

میرے خیال میں لکھ لکھ: لِکھ لِکھ ہے، کیونکہ لکھ لکھ دوراز کار ہے۔

چیراں ـــــ اس کے معنی: برج، برجیاں، منارے، کلس ہو سکتے ہیں، اس مصرع کی مناسبت سے۔

اور مزاج کیسے ہیں؟

لاہور

۲۸۔ مئی ۲۰۰۸ء

خاکسار

خالد

[خط نمبر ۳۵]

ساحر صاحب!

آپ نے آل اور اولاد میں خوب فرق کیا ہے (۱)۔

پہلی دفعہ معلوم ہوا کہ آل سے مراد بیٹی کی اولاد ہوتا ہے، بیٹے کی نہیں۔

آل اولاد، آل واطفال، اہل وعیال سب ہم معنی ہیں۔

آل کا لفظ قرآن میں ۲۶ مرتبہ اور اولاد کا ۲۳ مرتبہ آیا ہے۔

آل کا مفہوم قرآن کی رو سے اولاد کے مفہوم سے کہیں وسیع تر معلوم ہوتا ہے۔

آلِ نوح:

پسرِ نوح با بداں بہ نبشت
خاندانِ نبوتش گم شد

حضرت نوح نے اس کی غرقابی کی شکایت کی تو ندا آئی: انه لیس من اهلك (۲)

آلِ لوط، آلِ داؤد، آلِ فرعون، آلِ ابراہیم

آل میں: خاندان، نسل، قوم، قبیلہ اور امت سب شامل معلوم ہوتے ہیں۔

آلِ سلطانی: شاہی خاندان

درودِ ابراہیمی میں آلِ محمدؐ اور آلِ ابراہیم کے الفاظ ہیں۔

اقبال کا مصرع ہے:

آگ ہے، اولادِ ابراہیم ہے، نمرود ہے

آلِ محمد سے عموماً خاندانِ نبوت مراد لیا جاتا ہے، لیکن حدیث کی رو سے:

کون ہے آلِ محمد؟ یا انس! ہر امتی / ہر متقی

معلوم نہیں، خواجہ صاحب کے ذہن میں کیا تھا؟ میں نے قیاساً لکھا تھا کہ شاید ان کا مطلب یہ ہو۔ واللہ اعلم

خاکسار

خالد

۵۔ جون [۲۰۰۸ء]

[خط نمبر ۳۶]

ساحر صاحب!

سلام و رحمت۔ قرآنِ مجید کی سورت نمل (۲۷) کی آیت (۲۲) میں سبا[1] کا لفظ آتا ہے۔ جب ہُد ہُد کہتا ہے کہ: میں سبا سے ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔ اُن پر ایک عورت حکمرانی کرتی ہے اور وہ سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔

اس کے بعد ۳۴ نمبر کی سورت کا نام ہی 'سورۂ سبا' ہے۔ اس کی آیت (۱۵) میں سبا کا نام یوں آتا ہے: 'قومِ سبا کے لیے ان کے مسکنوں میں ایک نشانی تھی'۔

موضح القرآن (شاہ عبدالقادر): سبا ایک قوم کا نام ہے۔ اُن کا وطن عرب میں تھا، یمن کی طرف۔

ارض القرآن (ج ۱) (سید سلیمان ندوی): سبا: یہ اُمم قحطانیہ کی سب سے مشہور شاخ ہے۔ جنوبی و شمالی عرب جو تمدن کا گہوارہ تھے، اس کی حکومت کے مرکز تھے۔

سبا: ایک جدِ قبیلہ کا نام ہے۔ عرب روایات کے مطابق اس جدِ قبیلہ کا نام عمر، یا عبدِ شمس

اور لقب سبا تھا۔

کتابات میں عموماً سبا کا مادہ تجارتی سفر کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ سبا چونکہ ایک تاجر قوم تھی، اس لیے اس لقب سے مشہور ہوئی۔

قاموس الکتاب (لغاتِ بائبل): سبا جنوبی عرب کا ایک خطہ تھا، جس کی حدود موجودہ یمن کے مطابق تھیں۔ اس کے باشندے قد آور تھے۔ وہ سونا، مُر، لوبان اور دیگر نفیس مصالح اور قیمتی پتھروں کی تجارت کرتے تھے۔

تورات: سبا کی دولت و عظمت کے بیانوں سے پُر ہے۔ اس کی ان کتابوں (اسفار) میں یہ بیان یوں ملتا ہے:

ایوب: ۱: ۱۵: سبا کے لوگ اُن پر ٹوٹ پڑے اور انھیں لے گئے۔

۶: ۱۹: سبا کے کارواں اُن کے انتظار میں رہے۔

زبور: مزمور ۷۲: ۱۰ سبا اور سیبا کے بادشاہ ہدیے لائیں گے۔

۷۲: ۱۵ سبا کا سونا اُس کو دیا جائے گا۔

یسعیاہ: ۶۰: ۶ وہ سب سبا سے آئیں گے اور سونا اور لُبان لائیں گے۔

حزقی ایل: ۲۷: ۲۲ سبا اور رعماہ کے سوداگر تیرے ساتھ سوداگری کرتے تھے۔ وہ ہر قسم کے نفیس مصالح اور ہر طرح کے قیمتی پتھر اور سونا تیرے بازاروں میں لا کر فروخت کرتے تھے۔

اسلاطین: ۱۰: ۱۔۱۳ اور جب سبا کی ملکہ نے خداوند کے نام کی بابت سلیمان کی شہرت سنی تو وہ آئی، تا کہ مشکل سوالوں سے اُسے آزمائے اور وہ بہت بڑی جلو کے ساتھ یروشلم میں آئی اور اُس کے ساتھ اونٹ تھے، جن پر مصالح اور بہت سا سونا اور بیش بہا جواہر لدے تھے۔

یرمیاہ: ۶: ۲۰ اور تواریخ ۹: ۱۔۱۰ میں بھی اس کا ذکر ہے۔

ایران میں اجنبی میں ن۔م راشد کی نظم ہے: سبا ویراں

سلیماں سربہ زانو اور سبا ویراں

سبا ویراں، سبا آسیب کا مسکن

سبا آلام کا انبارِ بے پایاں

سبا باقی نہ مہ رُوئے سبا باقی

خاکسار

خالد

لاہور

۳۰۔جون ۲۰۰۸ء

[خط نمبر ۳۷]

ساحر صاحب!

سلام و رحمت۔ ۱۔ اَلتمش (۱) ____ ترکی زبان میں اس کے معنی محافظِ سلطنت کے ہیں۔ اَلتمش اُسے بھی کہتے ہیں، جو چاند گرہن کی رات پیدا ہوا ہو۔

۲۔ مآخِذ (۲) ____ ماخذ کی جمع ہے۔

۳۔ بیژن ایرانی پہلوان تھا۔ افراسیاب کی لڑکی (۳) منیژہ اس پر عاشق ہوگئی اور چوری سے گھر لے جا کر رکھا۔ جب افراسیاب کو خبر ہوئی تو اس نے بیژن کو کنوئیں میں قید کر دیا اور منیژہ کو گھر سے نکال دیا۔ منیژہ، بیژن کی تیمارداری اور خبر گیری کرتی تھی۔ رستم، بیژن کے چھڑانے کو سوداگر بن کر گیا اور توران پہنچ کر تجارت کے سامان پھیلائے۔ منیژہ کو خبر ہوئی۔ دوڑی ہوئی آئی اور رستم سے بیژن کے حالات بیان کیے۔ رستم نے اس خیال سے کہ راز فاش نہ ہو جائے۔ منیژہ کو جھڑک دیا کہ میں بیژن ویژن کو کچھ نہیں جانتا۔ منیژہ دل شکستہ ہو کر کہتی ہے:

زدی بانگ بر من چو جنگ آوران
نہ ترسی تو از داورِ داوران
منیژہ منم دختِ افراسیاب
برہنہ ندیدہ تنم آفتاب
برای یکی بیژن شورِ بخت
فتادم زتاج و فتادم زبخت

شعرالعجم (حصہ اوّل):شبلی نعمانی

شبلی نعمانی نے مَیزہ لکھا ہے، جبکہ شاہنامہ فردوسی میں مَیوہ ہے۔

۴۔علیحدہ (۴) = علاحدہ۔علیٰ حدہ۔ اپنی حد پر۔علی حدہ۔علی حدہ۔علیٰ حدۃ

علیحدہ۔اسی علحدہ کا امالہ ہے۔فرہنگیں عموماً جس کا املا علیحدہ کرتی ہیں۔

حالانکہ'الف' کے بعد'ی' کی گنجائش نہیں۔

زیادہ تر علیحدہ ہی مستعمل ہے۔ویسے تینوں صحیح ہیں، جیسے کوئی پسند کرے: علاحدہ۔

علٰحدہ۔علیحدہ

آپ نے ناشاد کے بارے میں کبھی کچھ نہیں لکھا۔اس نے اتنی محنت اور محبت سے

کجدارومریز شائع کی۔آپ کو بھی دی ہوگی، لیکن آپ نے اس بارے میں بھی مجھے کبھی ایک لفظ

تک نہیں لکھا۔

لاہور | خاکسار

۳۔جولائی [۲۰۰۸ء] | خالد

[خط نمبر ۳۸]

ساحر صاحب!

سلام وتحیت۔خط ۱۲ نمبر ۱ میں آپ نے صحیح گرفت کی ہے (۱)۔حضرت زکریا کی زوجہ

کا نام الیشبع یا الیصابات ہے۔(عبر: خدا حلف اٹھاتا ہے)

انجیل میں حضرت مریم کی والدہ کا نام مذکور نہیں۔

امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر اور تاریخ البدایۃ والنہایۃ میں ان کا نام حنہ بنت

فاقود لکھا ہے۔(عبر: فضل)

فتح الباری میں بشیر بن اسحٰق کی المبتداء کے حوالے سے دونوں کو سگی بہنیں بتایا گیا

ہے۔ [قصص القرآن مؤلفہ مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی]

خط ۱۱ میں بھی میں حضرت یحییٰ کو حضرت عیسیٰ کا خالہ زاد لکھ گیا۔اصل میں دونوں

جگہ ابنِ مریم کے بجائے مریم کا نام ہونا چاہیے تھا۔

حضرت زکریا تو ابنِ مریم کے رشتے میں نانا اور حضرت یحییٰ (یوحنا بپتسمی) ماموں ہوتے ہیں۔ وہ بھانجے سے چھے ماہ بڑے تھے۔ سلومی نے اپنے رقص کے معاوضے میں ہیرو دانتیپاس سے اُن کا سر مانگا تھا اور آخر لے کر رہی۔

انجیل میں الیشبع اور مریم کو صرف رشتہ دار بتایا گیا ہے۔ رشتے کی صراحت نہیں۔

خطوں میں اور بھی تسامحات ہوں گے۔ کیا کیا جائے:

انسان ہے نسیان و خطا کا پتلا!

خط ۱۱ میں غالب کے پہلے شعر کے پہلے مصرع میں چوں چھپائی سے رہ گیا ہے۔

مصرع یوں ہے:

دیدہ ور آنکہ چوں نہد دل بہ شمار دلبری

ان دونوں شعروں کے ساتھ غالباً میں نے اقبال کا یہ شعر بھی لکھا تھا(۲):

دانۂ راکہ در آغوشِ زمین است ہنوز

شاخ در شاخ و برومند و جواں می بنیم!

اُمید ہے آپ کی اہلیہ پوری طرح شفایاب ہو چکی ہوں گی!

ناشاد صاحب کیسے ہیں؟ اور حال احوال کیا ہیں؟

خاکسار

خالد

لاہور

۲۱۔ نومبر [۲۰۰۸ء]

[خط نمبر ۳۹]

ساحر صاحب!

ساقی نے یہ غزل اور شاید اس سے ملتی جلتی اور غزلیں فنون، لاہور میں بھیجی تھیں(۱)۔ قاسمی صاحب نے انھیں وزن سے خارج قرار دے کر شائع نہیں کیا، یا شائع کر کے ان کے بے وزن ہونے پر کوئی ادارتی نوٹ لکھا۔ بہرحال ساقی نے ان کی صحت پر اصرار کیا۔ اس سے ایک

عروضی بحث کا آغاز ہوگیا، جس میں مشفق خواجہ بھی شریک ہو گئے یا ساقی نے شریک کرلیا۔ یہ ساری بحث فنون تک محدود تھی، یا کسی اور جگہ بھی شائع ہوئی۔ کچھ کہہ نہیں سکتا (۲)۔

اکادمی بازیافت، کراچی (دفتر: ۱۷۔ کتاب مارکیٹ، گلی نمبر ۳، اردو بازار، کراچی۔ فون ۲۷۵۱۴۲۸) نے ساقی کی کتاب پاپ بیتی پچھلے دنوں شائع کی ہے۔ اس سے پہلے وہ اپنے سہ ماہی رسالے مکالمہ میں اس کی قسطیں شائع کرتے رہے ہیں۔ ان سے ساقی کا لندن کا پتا معلوم کر کے اسے براہِ راست خط لکھ کر اس بحث کے بارے میں دریافت کرلیں۔

اس دورِ اباحیت میں مذہبی شعائر وشوون کی حرمت ونزاکت کی کون پروا کرتا ہے؟ ساقی تو ویسے ہی اخلاقیاتِ مذہب کا قائل نہیں (۳)۔

قرآن میں ہے: الرحمٰن ○ خلق الانسان (۴) یعنی رحمٰن نے انسان کو پیدا کیا۔

اسی نسبت سے شاید اس نے خداداد کی ترکیب وضع کرلی۔ دنیازاد، شہرزاد، چمن زاد کے قیاس پر۔ خدا کا آفریدہ، خدا کا تخلیق کردہ، خداساز، خداداد کی ترکیبیں پہلے سے موجود ہیں۔

آپ خطوں کی رسید تو بھیج دیا کریں۔

لاہور — خاکسار

۸۔ جولائی ۲۰۰۸ء — خالد

[خط نمبر ۴۰]

ساحر صاحب!

کل جب آپ نے فون کیا تو میں جاگو میٹی لیٹا ہوا تھا۔ یہ میرے قیلولے کا وقت تھا۔ آپ نے خاک نشین کہا (۱) تو میں سمجھا نہیں۔ بعد میں آپ نے دو تین بار دہرایا تو مجھے آپ کی بات سمجھ میں آئی۔

خاک نشینوں کی ترکیب جگر نے بڑی خوبصورتی سے استعمال کی ہے:

کیا حُسن نے سمجھا ہے، کیا عشق نے جانا ہے
ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے

آپ نے پوچھا اسے انگریزی میں کیا کہیں گے۔ مجھے اس وقت صرف Humble کا لفظ سوجھا اور humility کے ساتھ کوئی ترکیب۔ پھر میں نے آپ سے کہا کہ: میں اُٹھ کر دیکھتا ہوں، شاید کوئی اور مناسب لفظ بھی مل جائے۔

تھوڑی دیر کے بعد میں نے آپ کو فون کیا، مگر آپ کا موبائل خاموش تھا۔ پھر میں نے ناشاد صاحب کو فون کیا اور بتایا کہ: اسٹینگاس نے بھی خاک نشین کی انگریزی Humble ہی لکھی ہے۔ Humble کے لیے خاک نشین کے علاوہ: متواضع، فروتن، منکسر مزاج، مسکین حلیم، خاکسار، عاجز کے الفاظ بھی آ سکتے ہیں۔

Humble کے انگریزی میں یہ مترادفات ہو سکتے ہیں:

modest, meek, submissive, unpectending, unassuming, unpresuming, unpretentious, unboastful,lumility, full of symbol, nonastentiations, incorcaited, etc.

اس کے اضداد یہ ہوں گے:

arrogant, haughty, conceited, supercilious, frievd, bostful, pretations, aurbearing, etc.

اور مزاج کیسے ہیں؟

خاکسار

خالد

لاہور

۲۷۔جنوری [۲۰۰۹ء]

[خط نمبر ۳۱]

ساحر صاحب!

شعر کیا ہے (۱):

اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا!

خاکسار

لاہور

۳۔ جولائی [۲۰۰۹ء] خالد

[خط نمبر ۴۲]

ساحر صاحب!

کل میں آپ سے یہ کہنا بھول گیا کہ مولانا شبلی کی کتاب الفاروق دیکھیے اور اس کا تتبع کیجیے (۱) یعنی:

ھر زہ مشتاب و پی جادہ شناساں بردار

جگہ کی کمی کی وجہ سے میری کتابوں کی بُری حالت ہے۔ جس کمرے میں ہیں، وہ بھی نسبتاً تاریک ہے۔ اوپر سے بجلی کی بندش۔ معلوم نہیں، میرا نسخہ کہاں دبا پڑا ہوگا؛ تاریخِ اسلام کی کتابیں بھی نجانے کس گرد آلود گوشے میں بڑی ہوں گی؟

ٹانگوں میں تکلیف کے باعث مجھے چلنے پھرنے میں دشواری ہوتی ہے اور میں تادیر مشقت کا متحمل بھی نہیں ہو سکتا۔

لاہور خاکسار

۱۷۔ جولائی [۲۰۰۹ء] خالد

[خط نمبر ۴۳]

ساحر صاحب!

سوال نامہ ملا۔ جواب حسبِ توفیق حاضر ہے۔

ا۔ الف۔ چشمِ بیمار (۱): نشیلی آنکھ، خمار آلودہ، یا متوالی آنکھ (معشوق کی آنکھوں کی تعریف میں بولا کرتے ہیں)۔ (مخزن المحاورات)

۲۔ نرگسِ بیمار: مریض کی نیم وا آنکھ سے مشابہ۔ نرگس کو شعراء محبوب کی مخمور، نیم وا اور شرمیلی آنکھ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ یہی کیفیت مریض کی آنکھوں کی ہوتی ہے، اس لیے نرگس کے پھول کو نرگسِ بیمار کہنے لگے۔ (فرہنگِ اقبال)

۳۔ نرگسِ بیمار رجادو رنجور: مست آنکھ۔ معشوق کی آنکھ سے استعارہ کرتے ہیں۔ (علمی اردو

لغت)

۴۔ نرگس: شعراء چشمِ معشوق سے تشبیہ دیتے ہیں: بیمار، رنجور، طناز، فتان، جادو، نیم وا، وغیرہ بطور صفت استعمال کرتے ہیں اور مراد معشوق کی مست آنکھ سے لیتے ہیں۔ (نوراللغات)

۵۔ نرگس: مجازاً چشمِ معشوق

نرگسِ بیمار: مجازاً چشم مست، چشمِ معشوق، چشمِ نیم باز، نرگسِ مخمور، چشمِ خمار آلود، نرگسِ نیم خواب،، وہ آنکھ جو معشوقانہ انداز سے جھکی ہوئی ہو۔ (فرہنگِ آصفیہ)

۶۔ نرگس: مجازاً آنکھ، نرگسِ مست۔ کنایہ معشوق رمحبوب کی آنکھ سے (لغاتِ کشوری)

۷۔ نرگس: ایک پھول جو آنکھ سے مشابہت رکھتا ہے، اس لیے معشوق کی مست آنکھ کو اس سے تشبیہ دیتے ہیں۔ نرگسِ بیمار، مست آنکھ (فرہنگِ کارواں)

۸۔ ایک پھول جو آنکھ سے بہت مشابہ ہوتا ہے۔ مجازاً چشمِ محبوب، نرگسِ بیمار، مست آنکھ، محبوب کی آنکھ (قائداللغات)

۹۔ صفاتِ چشمِ معشوق: نرگس، نرگسِ بیمار، نرگسِ جادو، نرگسِ شہلا، نرگس کی کٹوری، نرگسِ مخمور، نرگسِ میگوں (امیراللغات)

ب: شُبہ۔ شِبہ [۲]: التباس، شک، احتمال، گمان، اشتباہ، ج: شبہات

شِبہ: مثل، مانند، شبیہ، تصویر، نقشہ، ڈھانچ، ج: اشباہ

۲۔ صَدَقہ۔ صَدَقہ [۳]: خیرات، احسان، ج: صدقات

صَدُقہ۔ صُدقہ۔ صَدُقہ۔ صِداق: حق مہر، مہر

۳۔ وِلایت [۴]: حکومت، امارت، مملکت، غیر ملک، امیری، قبضہ، یاری، دوستی، خدا سے تقرب کا مقام، روحانی میراث

وَلایت: قرابت، رشتہ داری، مددگاری

دونوں کا تلفظ وِلایت ہے، یعنی واؤ کے زیر زبر دونوں کے ساتھ اور معنی میں بھی کوئی خاص فرق نہیں [۵]۔

آپ نے اپنے دوست ڈاکٹر جاوید اقبال (۶) (مدیر تحقیق) سے، یا تو پرچے کے لیے کہا نہیں اور کہا تو انھوں نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی، خیر۔

میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کسی نے میرے خطوں پر اظہار خیال تو نہیں کیا۔ کیا تو کیا؟ (۷)

اور حالات کیسے ہیں؟ ناشاد کیا کر رہے ہیں؟ والسلام

لاہور — خاکسار

۴۔ اکتوبر ۲۰۰۹ء — خالد

[خط نمبر ۴۴]

ساحر صاحب!

سلام ورحمت۔ مرسلہ کتابیں ملیں۔

آپ نے بڑی محبت، محنت اور مہارت سے دونوں شخصیتوں کی تصویر کشی (۱) کی ہے اور ان کے کمالِ فن کے خط و خال کو جامعیت کے ساتھ اجاگر کیا ہے۔

محترمہ شازیہ صدیق نے تو کمال کیا ہے۔ وہ عربی کیسی بے تکان اور برجستہ لکھتی ہیں؟ (۲) میں تہہ دل سے ان کا ممنون ہوں کہ انھوں نے اس ہیچمدان کو اتنی اہمیت دی۔ ملاقات ہو، تو میرا شکریہ ان کو پہنچا دیں۔

ان کے نگران ڈاکٹر عاصم صاحب (۳) سے بھی نیازمندانہ سلام کہیں۔

لاہور — خاکسار

۱۶۔ نومبر [۲۰۰۹ء] — خالد

حواشی اور تعلیقات:

خط نمبر ۱:

(۱) میرے نام عبدالعزیز خالد کا یہ پہلا خط ہے۔ میں اُن دنوں معروف دانشور اور صاحب طرز نثر نگار ڈاکٹر غلام جیلانی برق [م مارچ ۱۹۸۵ء] کے خطوط کی جمع آوری میں مصروف تھا۔ اُن کی خود نوشت میری داستان حیات اور کچھ دیگر حوالوں سے ان کے مکتوب الیہم کی ایک فہرست مرتب کی۔ اس سلسلے میں، میں نے عبدالعزیز خالد کو لکھا کہ: آیا برق صاحب مرحوم کے خط اُن کے پاس محفوظ ہیں یا نہیں؟ انھوں نے میرے عریضے کے جواب میں ڈاکٹر صاحب کے خط بھجوا دیے۔

خط نمبر ۲:

(۱) ڈاکٹر غلام جیلانی برق ۲۶۔ اکتوبر ۱۹۰۱ء کو کنٹ ضلع اٹک میں پیدا ہوئے۔ اُن کا آبائی گاؤں بسال ہے۔ دینی مدرسے سے ان کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ مختلف اداروں میں زیرِ تعلیم رہے۔ پنجاب یونیورسٹی، لاہور سے امام ابن تیمیہ کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ عملی زندگی میں درس و تدریس سے وابستہ رہے۔ ۱۹۵۷ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ چالیس سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ دو قرآن، دو اسلام اور ایک اسلام کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ بیسیوں کتابیں، رسالے اور اشتہارات ان کتابوں کی تردید میں شائع ہوئے۔ پروفیسر فضل احمد قریشی نے ایک اسلام کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا۔

۱۳۔ مارچ ۱۹۸۵ء کو وفات پائی اور اٹک کے مرکزی قبرستان میں دفن ہوئے۔

چند اہم کتابیں: دو قرآن، دو اسلام، ایک اسلام، حرف محرمانہ، من کی دنیا، امام ابن تیمیہ، مؤرخین اسلام، فلسفیان اسلام اور میری آخری کتاب وغیرہ۔ [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی مرتبہ کتاب ڈاکٹر غلام جیلانی برق کے خطوط حسنین پبلی کیشنز، لاہور: ۱۹۹۹ء]

(۲) میں نے برق صاحب کے مکاتیب کی عکسی نقول کی ترسیل کے سلسلے میں، مولانا نعیم صدیقی [م ۲۰۰۲ء] کو بھی خط لکھا تھا۔ مولانا نے جواب دیا کہ: ان کے پاس خط تو یقیناً محفوظ ہیں، لیکن سر دست ان کی تلاش ممکن نہیں۔ بعد میں انھیں خط تو مل گئے، مگر اُن سے میرا پتا کہیں گم ہو گیا۔ انھوں

نے ازرو ادب پروری اور بندہ نوازی ماہ نامہ ترجمان القرآن، لاہور میں حسبِ ذیل نوٹ لکھا:

"مرحوم ڈاکٹر غلام جیلانی برق بڑے قابل آدمی تھے۔ اُن کی کتاب دو قرآن کے زمانے میں، میں نے کچھ نوٹ لکھے تھے۔ اصلاح یافتگی کے بعد اُن سے مختصر ملاقات اسلام آباد ہوٹل میں ہوئی۔ خط و کتابت [کذا: خط کتابت] مختصر رہی۔ کسی صاحب نے اُن کے خطوط کے متعلق پوچھا تھا کہ اگر ملیں تو نقل چاہیے۔ میں نے اُن کو جواب دیا کہ تلاش میں ناکامی ہوئی۔ اب وہ خط مل گئے ہیں۔ اگر وہ صاحب لکھیں تو فوٹو نقل بھجوادوں"۔ [ترجمان القرآن: جولائی ۱۹۹۱ء، ص ۲۷۳]

خالد صاحب نے مجھے یہ تراشا بھجوایا۔ میں نے فوراً مولانا سے رابطہ کیا تو انھوں نے اپنے نام برق صاحب کے خطوط کی عکسی نقول فراہم کر دیں۔

خط نمبر ۳:

(۱) مراد: ڈاکٹر غلام جیلانی برق

خط نمبر ۴:

(۱) عکسِ رخِ یار [رباعیاتِ خیام کا منظوم اردو ترجمہ از شاکر القادری] کے دیباچے بعنوان اٹک کی پانچویں جسارت میں نذر صابری نے شیخ محمد اکرام [م ۱۷۔ جنوری ۱۹۷۳ء] کے حوالے سے امیر خسرو [م ۷۲۵ھ] کا یہ واقعہ لکھا ہے:

"عہدِ بلبن میں منگولوں نے شمالی ہند پر حملہ کیا۔ شہزادہ محمد حاکم ملتان، دیپال پور کے نزدیک اُن سے لڑتا ہوا شہید ہوا۔ جو لوگ اسیر ہوئے، اُن میں ہندوستان کا سب سے بڑا شاعر، حضور محبوبِ الٰہی کا محبوب امیر خسرو بھی تھا۔ جس گھڑ سوار نے اُن کو گرفتار کیا تھا اور بدتمیزی سے پیش آیا تھا۔ قرآئن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اِسی علاقے [اٹک] کا رہنے والا تھا۔ خسرو نے اس واقعے کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

من کہ بر سر نمی نہادم گُل
تو برہ سر نہاد و گفتا جُل"

[عکسِ رخِ یار: بزمِ شعر و ادب، اٹک: بار اوّل ۱۹۹۱ء، ص؟]

صابری صاحب کے تحقیقی وجدان نے شعر کے محض ایک لفظ جُل کی مناسبت سے اُس

گھڑ سوار کا تعلق اٹک کے علاقے سے جوڑ دیا۔ مجھے لفظ جَل کو صرف اٹک کی زبان تک محدود کر کے، امیر خسرو کے ساتھ بے ادبی کرنے والے شخص کو اس علاقے [اٹک] سے منسوب کرنے پر اختلاف تھا۔ لہذا میں نے پنجابی اور اردو لسانیات کے ممتاز اور جید علماء سے استفسار کیا کہ: کیا لفظ جَل صرف اٹک کی بولی [ہندکو] سے مخصوص ہے، یا یہ لفظ پنجابی کے دیگر لہجوں اور بولیوں سے بھی متعلق ہے؟ اس سوال کے جواب میں خالد صاحب نے اپنے دو علمی خطوط سے نوازا۔

(۲) میرے خیال میں امیر خسرو کے اس شعر کا مطلب یوں ہے: میں نے اپنے سر پر کبھی پھول بھی نہیں رکھا (یعنی پھول جتنا بوجھ نہیں اُٹھایا)، لیکن اس نے میرے سر پر توبرہ رکھ کر کہا کہ: چل!

(۳) شریف کنجاہی ۱۹۱۵ء کو کنجاہ ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ وہ پنجابی، اردو اور فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ وہ نثار بھی تھے۔ ان کے پہلے مجموعۂ کلام جگراتے [مطبوعہ ۱۹۵۸ء] سے انھیں بے پناہ شہرت ملی۔ ان کا دوسرا مجموعہ اوڑک ہوندی لو ۱۹۹۵ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ وہ عملی زندگی میں درس و تدریس سے وابستہ رہے۔ ان کے علمی اور ادبی آثار میں جھاتیاں، شاہ دولہ دریائی گجراتی، لکھوں کا سہارا، Panjab Scandinavian language contact اور مختصر پنجابی لغت کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ انھوں نے قرآن کریم اور علامہ اقبال کے خطبات کا پنجابی زبان میں ترجمہ بھی کیا۔ [شریف کنجاہی کے حوالے سے مختلف Websites سے استفادہ] ۲۰۔ جنوری ۲۰۰۷ء کو وفات پائی اور فارسی زبان کے بے نظیر شاعر غنیمت کنجاہی کے جوار میں آسودۂ خاک ہوئے۔

خط نمبر ۹:

(۱) رشید حسن خاں [م ۲۰۰۶ء] معروف محقق اور مدون ــــــ باغ و بہار، فسانۂ عجائب، مصطلحات ٹھگی، گلزار نسیم، سحر البیان، مثنویات شوق، زٹل نامہ وغیرہ جیسی کتابوں کے مرتب و مدون [مفصل احوال و آثار کے لیے ملاحظہ ہو: مکاتیب رشید حسن خاں بنام رفیع الدین ہاشمی: ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد: ادبیات، لاہور: جون ۲۰۰۹ء]

(۲) اردو املا کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) ڈاکٹر فرمان فتح پوری [اصل نام: سید دلدار علی ــــ م ۲۰۱۳ء] معروف محقق و نقاد، شعبۂ

اردو جامعہ کراچی کے سابق اُستاد، اردو لغت بورڈ کے سابق صدر نشین، مدیر ماہ نامہ نگارِ پاکستان اور مصنف و مرتب کتب کثیرہ ۔۔۔۔۔ [تفصیلی احوال و آثار کے لیے دیکھیے: امراؤ طارق کی مرتبہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری۔ حیات و خدمات کی تین جلدیں: فتح پور ایجوکیشنل سوسائٹی، کراچی: ۱۹۹۴ء]

(۴) نگارِ پاکستان، کراچی کا شمارہ اگست ۱۹۸۶ء املا کے حوالے سے مختص کیا گیا ہے۔ اس شمارے میں معروف ہندوستانی محقق اور نقاد ڈاکٹر ابو محمد سحر کی کتاب اردو املا اور اس کی اصلاح شائع کی گئی ہے۔

(۵) میں نے پوچھا کہ: ہائے ہوز کو دوسرے حروف سے ملانے کے لیے کیا اصول و ضوابط ہیں؟ مثلاً: بعض ماہرینِ املا نے تمام حروف کو ہائے ہوز کے بعد بغیر شوشہ، یا اُبھار دیئے ملانے کی سفارش کی ہے۔ ان کے مطابق: ذہن اور لاہور وغیرہ ہلدی اور ہل کی طرح لکھے جائیں۔ مجھے نون اور واؤ وغیرہ حروف کو بغیر شوشہ، یا اُبھار دیئے ملانے میں اختلاف تھا۔ لہٰذا خالد صاحب سے رہنمائی کی درخواست کی گئی۔ انھوں نے چار حروف کی نشاندہی کی، جو بغیر شوشے/ابھار کے ہائے ہوز کے بعد آتے ہیں۔ بقیہ تمام حروف کو ہائے ہوز کے بعد شوشہ، یا اُبھار دے کر جوڑا جانا چاہیے۔

(۶) سوال یہ تھا کہ: املا نویسی کے باب میں خوش نویسوں کے حسنِ کتابت کا کردار کس قدر اہمیت کا حامل ہوتا ہے؟ کیونکہ پرانے کاتبوں نے بعض حروف کے دائرے اور قوسیں بنانے میں مروج املا سے مختلف اسلوب اختیار کیا۔

(۷) غالب کے نزدیک فارسی تراکیب کی یائے تحتانی پر ہمزہ لگانا عقل کو گالی دینے کے مترادف ہے۔

(۸) ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے بقول:

> ''عربی و فارسی کے وہ الفاظ جن کے آخر میں الف، واؤ یا ہمزہ میں سے کوئی حرف آئے گا تو فارسی تراکیب میں اگر مضاف، یا موصوف ہوں گے تو ان کے آخر کے یہ حروف یائے تحتانی، یعنی بڑی ے سے بدل جائیں گے، لیکن ے پر ہمزہ نہیں لکھا جائے گا، جیسے: دریا سے دریائے عشق، سودا سے سودائے خام، ابتدا سے ابتدائے عشق، انتہا سے انتہائے کرم، بلا سے بلائے جاں، دوا سے دوائے درد۔۔۔۔۔'' [اردو املا اور رسم الخط۔ اصول و مسائل : الوقار پبلی کیشنز، لاہور: ۲۰۰۴ء، ص ۳۹۔۴۰]

(۹) پرانے لوگ منہ کا املا منھ لکھتے ہیں اور آج کل منہ مروج ہے۔ میں نے منہ کی ہائے

ملفوظی کے نیچے لکشن [٫] لگانے اور اس کا املا منھ لکھنے کے ضمن میں استفسار کیا تھا۔

(۱۰) اس سلسلے میں رشید حسن خاں صاحب کا موقف ہے کہ: وہ افعال جن کے آخر میں واو ہو تو اُن پر ہمزہ لگایا جائے، مثلاً: دباؤ، بچاؤ، جماؤ وغیرہ۔ البتہ اگر یہ یا ان جیسے دیگر الفاظ بطور حاصل مصدر استعمال ہوں تو اُن پر ہمزہ نہ لکھا جائے۔ [رک: اردو املا: فکشن ہاؤس، لاہور: ۱۹۹۴ء، ص ۳۶۳۔۳۸۴]

خط نمبر ۷:

(۱) میں نے خالد صاحب کو اپنی کتاب جمیل الدین عالی کی نثر نگاری [ناشر: پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، لاہور: ۱۹۹۳ء] بھجوائی تھی، جس کی رسید میں انھوں نے یہ تحسین آمیز کلمات تحریر فرمائے۔

(۲) خالد صاحب نے غلام جیلانی برق کی وفات پر جو نظم کہی تھی، اُس کی ترسیل کی طرف اشارہ ہے۔ یہ نظم میری کتاب ڈاکٹر غلام جیلانی برق کے خطوط [حسنین پبلی کیشنز، لاہور: ۱۹۹۹ء] کے ص ۱۶ تا ۱۹ پر شائع ہوئی۔

(۳) ایک خط میں برق صاحب نے خالد صاحب کی کتاب مزمور میر مغنی کے بعض مصرعوں پر عروضی اعتراضات کیے۔ [رک: ڈاکٹر غلام جیلانی برق کے خطوط: ص ۵۹۔۶۰] خالد صاحب نے اپنے خط میں اُن اعتراضات کا جواب دیا۔ برق صاحب نے اعتراضات واپس لیتے ہوئے خط کے مندرجات کی بے پناہ تعریف کی۔ میری خواہش تھی کہ خالد صاحب کا اگر یہ خط میسر آجائے تو اُسے بھی اپنی کتاب کے حواشی میں شامل کروں، تاکہ یہ عروضی بحث اپنی تمام تر معنویت کے ساتھ جلوہ گر ہو، مگر افسوس کہ وہ خط دستیاب نہ ہو سکا۔

(۴) خالد صاحب نے اپنے نام برق صاحب کے چھے خط بھجوائے۔ ساتواں خط نامکمل تھا۔ میں نے اُن سے گزارش کی کہ: اگر ممکن ہو تو اُس خط کی نقل دوبارہ بھجوائیں، تاکہ اُسے مکمل صورت میں شاملِ کتاب کیا جا سکے۔ مکتوب الیہ کے پاس وہ خط مکمل صورت میں محفوظ نہ تھا اور انھیں تلاش و جستجو کے باوجود اُس کا بقیہ حصہ نہ مل سکا۔ لہٰذا نامکمل ہونے کی وجہ سے، میں نے اُسے شائع کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

(۵) ڈاکٹر برق نے خالد صاحب کے نام اپنے خطوں میں دو شعر نقل کیے تھے۔ اُن میں ایک شعر تو خالد صاحب ہی کا تھا، جبکہ دوسرے شعر کے تخلیق کار کا پتا نہیں چل رہا تھا۔ میں نے اُن سے بھی

رہنمائی کی درخواست کی، تاکہ حاشیہ آرائی کرتے وقت شاعر کا حوالہ دے سکوں۔ خالد صاحب نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ میں نے تلاش جاری رکھی۔ شعر خود برق صاحب کا تھا، جو بعد میں اُن کی قلمی بیاض اور خودنوشت میری داستانِ حیات کے مطالعے سے معلوم ہوا۔ شعر تھا:

سورج ڈوب گیا تو کیا
رنگ و بہار شام تو دیکھ

(۲) برق صاحب نے اپنے مکتوب الیہ [عبدالعزیز خالد] سے اپنی کتاب چھپوانے کے سلسلے میں مدد مانگی تھی کہ: بک لینڈ، یا کراچی کا کوئی دوسرا اشاعتی ادارہ اُن کی کتاب چھاپ دے، لیکن یہ بیل منڈھے نہ چڑھی۔ ایک خط میں بک لینڈ کا حوالہ تھا۔ میں نے خالد صاحب سے اس ادارے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے یادش بخیر کہہ کر، بات ختم کر دی۔

خط نمبر ۸:

(۱) میں، غالب کے دوصد سالہ جشنِ ولادت [دسمبر ۱۹۹۷ء] کی مناسبت سے گورنمنٹ کالج، مری کے علمی و ادبی مجلے قردا کا غالب نمبر ترتیب دے رہا تھا۔ خالد صاحب سے بھی ایک نظم کی فرمائش کی گئی۔ انھوں نے میرے التماس کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے غالب کے عنوان سے یہ نظم عطا فرمائی:-

سارے انسانوں کے دکھ درد کا تو شاعر ہے
تری آواز میں شامل ہے غمِ دل کی صدا
تو نے اظہار کے پیرایوں کو وسعت دے کر
لفظ و معنی کو کیا ایک نیا بُعد عطا
جنس نایاب ہے شاعر، متشاعر تو بہت
مدعی ہر کوئی آہنگِ غزل خوانی کا
وقت کی پھونک چراغوں کو بجھا دیتی ہے
گُلِ نغمہ کو یہ لیکن نفسِ بادِ صبا
فن سمندر ہے رہے سینۂ پُر آذر میں
گرمیِ جوہرِ اندیشہ ہے راتب اُس کا

نہ ملے شہرتِ جاوید بلا استحقاق
یہ عقیدہ ہے علیٰ وجہِ بصیرت میرا
دستِ آزر بھی ملا تجھ کو یدِ بیضا بھی
ہے تو کافر تو کھلا اور ولی پوشیدہ
حسن والوں سے ہے کس کس جگہ پیغام و سلام
سخنِ عشق نہیں رمز و اشارت کے سوا
زندگی بے مے و معشوق کہاں کٹتی ہے؟
کہ یہ اک تلخ حقیقت ہے سہانا سپنا
بکھری کس شب ترے بازو پہ نہ زلفِ شبرنگ؟
دل ترا کب ہدفِ ناوکِ مژگاں نہ رہا؟
کیوں نہ اوضاع زمانہ ہوں طبیعت کے خلاف
کرے رسموں سے ابا مشربِ رندانہ ترا
حزنِ یعقوب بھی، اندوہِ زلیخا بھی ہے
ہے بیانِ جگرِ سوختہ افسانہ ترا
صدفِ گوہرِ گنجینۂ معنی ہر لفظ
ہے جدا سب سے در و بست میں پیمانہ ترا
رہے ہر وقت ترے گرد خیالوں کا ہجوم
روکشِ محفلِ جانانہ ہے ویرانہ ترا
چمنستانِ تفکر ہے تری جولاں گاہ
فاقہ مستی میں بھی انداز ہے شاہانہ ترا
عصر سے تیری انا برسرِ پیکار بھی ہے
باعث اس کا ہوسِ لذتِ آزار بھی ہے
گرچہ بندوں کی خداوندی سے انکار بھی ہے

مگر افتادِ طبیعت سے تو لاچار بھی ہے
بے نیازی بھی ہے مداحِ سرکار بھی ہے
طلبِ پارچہ و کرسیِ دربار بھی ہے
زعمِ خود بینی و آزادہ روی کے باوصف
شاملِ خیلِ گدایانِ درِ یار بھی ہے
نظر آتا ہے ترے قول و عمل میں جو تضاد
ایک اُسلوب ہے اِس میں بھی جُداگانہ ترا
روشِ عام کو سمجھے تو اہانت اپنی
جلوۂ برق سے روشن ہے یہ خانہ ترا
کوئی قدغن، کوئی بندش، نہ کوئی پابندی
خانۂ بے در و دیوار ہے میخانہ ترا
خود پرستی کا مداوا، غمِ ہستی کا علاج
سوز و مستی سے بھرا رنگِ ظریفانہ ترا
رونا آساں، مگر آساں نہیں ہنسنا خود پہ
ہے عطا کس کی یہ اندازِ حکیمانہ ترا؟
آشنائی ہے فقیہانِ حرم سے بھی تری
اور رندانِ قدح کش سے بھی یارانہ ترا
خالد و حالی و اقبال پہ موقوف نہیں
بیش و کم ہر دلِ فرزانہ ہے دیوانہ ترا

[فردا غالب نمبر: مجلہ گورنمنٹ کالج مری: ۱۹۹۷ء، ص ۱۲۶۔۱۲۸]

خط نمبر ۹:

(۱) شاکر القادری [اصل نام: سید برار حسین ــــــ پ: ۱۹۵۹ء] فارسی اور اردو کے شاعر، عکسِ رخِ یار کے عنوان سے رباعیاتِ خیام کے منظوم اردو ترجمے کے خالق، سر الشہادتین اور جوامع الکلم

کے مترجم، سہ ماہی فروغِ نعت کے مدیر، اٹک میں ضلع کونسل کے کتب خانے کے کتابدار اور میرے عزیز دوست [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: جمالیات (شاکر القادری نمبر)، اٹک: شمارہ ۷: جنوری تا جون ۲۰۱۲ء]

(۲) شاکر نے میرا سہرا لکھا۔ اُس کی خواہش تھی کہ اصلاح کے لیے یہ سہرا خالد صاحب کو بھجوایا جائے۔ میں نے اُن سے گزارش کی کہ وہ سہرے کو بہ نظرِ اصلاح ملاحظہ فرمائیں اور جہاں کہیں مناسب سمجھیں، اس میں تبدیلی بھی کر دیں۔ سہرا یوں تھا:

۱۔ رسیده ای بـه گُلِ مدعـا مبـارك بـاد
بـه سویـی تسـت خـرامِ صبـا مبـارك بـاد

۲۔ بـه لحـنِ خـوش هـمـه حورانِ خُلد می خـوانـنـد
پـی غـلامِ مـحـمـدؐ دُعـا ، مبـارك بـاد

۳۔ اُمیـد دار کـه جیـبِ فـراق خـواهـد شـد
رفـو بـه سـوزنِ مهـر و وفـا مبـارك بـاد

۴۔ بـه شـادیـت دلِ نـاشـادؔ شـاد شـاد شـده
سـرود خـوانـد بـه رنگِ جُدا ، مبـارك بـاد

۵۔ بـه صد هـزار کـرشـمـه بـه حـجلـه ات بـه رسیـد
عـروسِ بـخـتِ شـمـا و ز مـا مبـارك بـاد

۶۔ بـه رحـمتی نـه رسیـد آن کـه زحـمتی نـه کشیـد
ایـن فـالِ نیك ز حـافـظؔ تُـرا مبـارك بـاد

۷۔ بـه دسـتِ مـردمكِ چشـمِ خـویـش گُـل چیـدن
ز گُـلـشـنِ صـنـمِ خـوش ادا ، مبـارك بـاد

۸۔ زهـی نـصیـب شـده از طـفیـلِ مهـرِ عـلـیؓ
ازاں جـنـاب مـرادت روا، مبـارك بـاد

خالد صاحب نے تیسرے اور چھٹے شعر کے مصرعوں میں جزوی اصلاح رترمیم کی، جبکہ آٹھویں شعر کا پہلا مصرع بدل دیا اور دوسرے مصرع میں خوش ادا کی ترکیب کو خوش لقا سے

بدلنے کی تجویز دی۔

خط نمبر ۱۰:

(۱) فردا مجلہ گورنمنٹ کالج، مری کے خصوصی شمارے کا ذکر ہے۔ راقم نے یہ شمارہ غالب کے دو صد سالہ جشنِ ولادت کی مناسبت سے ترتیب دیا تھا۔

(۲) میں نے اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبیست کے عنوان سے مقتبس اداریہ لکھا:

''یہ کائنات ابھی عالمِ خیال میں تھی۔ حریمِ ذات کے معنی ابھی کھلے بھی نہ تھے۔ ہر اک وجود سرشتِ وجود میں گم تھا۔ کوئی بھی چیز حقیقت نہ بن سکی تھی ابھی۔ یہ حرف وصوت کے موسم عدم میں رہتے تھے۔

یہ حسنِ عالمِ امکاں کہاں نکھر پاتا۔ جو لفظ اپنے ہی اندر الجھ گئے تھے کہیں، وہ حسنِ وحدتِ مطلق کی کیا خبر لاتے۔

فضائے وقت طلسمِ خیال میں گم تھی۔ کئی زمانے اسی خواب میں گزرتے گئے۔ ازل سے دور، زمان و زمین سے بھی پرے کسی نے کنز کا گھونٹ الٹ دیا آخر۔

حریمِ ذات کے معنی کھلے تو ایسے کھلے۔ کوئی حجاب من و تو رہا رہا نہ رہا۔ خیال خواب میں ڈھلتے گئے تو آخرِ کار۔ وجودِ واجب و مطلق نے راز کھول دیا۔ طلسمِ موسمِ جاں میں عجب بہار آئی۔ وہ ذات حسنِ تمنا کا استعارہ بنی، تو لفظ حسنِ معانی سے ہمکنار ہوئے۔ وجودِ ذات کے لمحے نکھر نکھر سے گئے۔ فضائے دہر محمد سے مشکبار ہوئی۔ جبینِ صبحِ سعادت کا بھید کھلنے لگا۔ ازل کے روز بھی گم تھی ہر ایک شے اس میں۔ ابد کے روز کا وہ آخری سہارا ہوا۔ وہ ایک شخص جو سوچا گیا تھا صدیوں میں۔ وہ ایک نام کہ نسبت جسے اُجالوں سے۔ سبھی صحیفے اسی نام سے معطر ہیں۔ فضائے عرش کو دیکھا کبھی جو آدم نے نگہ نے اسمِ محمد کو چوم چوم لیا۔ دعا خلیل کی بن کر اٹھا وہ ہستی میں۔ نوید اس کی مسیحا بھی دے گیا تھا کبھی۔ وہی ہے عالمِ انساں کا ملجا و ماوا۔ اسی کے لفظ زمانے میں بے مثال ہوئے۔ اسی کی بات جو باتوں کا اعتبار ہوئی۔ اسی کا نام ہر اک درد کا مداوا ہوا۔ اسی کی ذاتِ مقدس ہے زندگی کی دلیل سبھی زمانوں کا وہ آخری

حوالہ ہے۔ وہی نگاہ محبت میں اول و آخر۔ اسی کے نور سے روشن ہے وادیِ سینا۔ یہ سب زمینیں اسی کے جمال میں گم ہیں۔ یہ سارا گنبدِ افلاک بھی حصار میں ہے۔ ہر ایک شخص اسی سے وقار کا طالب۔ ہر ایک شخص اسی کے کرم کا خواہاں ہے۔ کوئی جو بچ کے چلے، اس سے کس طرح وہ چلے۔ وہ اک نمونہ کامل ہے ہر کسی کے لیے۔ وہ شخص کہ جس کی نظیر مل نہ سکے۔ وہ ایک شخص کے جس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ اپنی ذات میں واحد مرے خُدا کی طرح"۔ [فردا: ص ۵]

خط نمبر ۱۱:

(۱) میں اُن دنوں اپنے مشفق اور مہربان بزرگ نذر صابری [۱۹۲۳ء۔ ۲۰۱۳ء] کے ساتھ مل کر جاوید نامہ پڑھ رہا تھا۔ مختلف مقامات پر ہمارے مابین فکرِ اقبال کی تفہیم میں بھی اختلاف ہوا اور زبان کے معاملات میں بھی۔ میں نے چند سوال خالد صاحب کو لکھ بھیجے کہ اس ضمن میں وہ بھی رہنمائی فرمائیں۔ اس سلسلے کا پہلا سوال تھا:

کاروانِ این دو بینای وجود

[فلکِ مشتری: جاوید نامہ]

میرے خیال میں اس مصرع کا مطلب ہے: دو صاحبِ نظر افراد کا یہ کارواں ۔ جبکہ میرے بزرگ دوست کا ارشاد تھا کہ: وجود کو جاننے اور سمجھنے والے دو افراد کا یہ کارواں ___ مجھے وجود کو جاننے اور سمجھنے پر اختلاف تھا اور انھیں دو بینای وجود کے دو صاحبِ نظر افراد کے ترجمے پر۔

(۲) رفیق خاور [اصل نام: میاں محمد رفیق حسین] ۱۵۔ فروری ۱۹۰۸ء کو میاں محمد بخش کے ہاں راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم راولپنڈی سے حاصل کی۔ بی اے گورنمنٹ کالج، لاہور سے کیا۔ انگریزی اور فارسی میں ایم اے کے امتحانات پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیے۔ مختلف اداروں میں کام کیا۔ اسلامیہ کالج، لاہور میں لیکچرار بھی رہے۔ ۱۹۵۱ء میں محکمۂ اطلاعات کے ماہنامے ماہِ نو کے مدیر مقرر ہوئے۔ اسی ادارے سے یکم اکتوبر ۱۹۶۷ء کو بحیثیت ڈپٹی ڈائریکٹر سبکدوش ہوئے۔ چھے زبانوں پر ماہرانہ دسترس رکھتے تھے۔

۱۴۔ مئی ۱۹۹۰ء کو وفات پائی اور کراچی میں مدفون ہوئے۔ [رفیق خاور۔ احوال و آثار: رؤف

امیر: مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی: شعبۂ اردو پنجاب یونیورسٹی، لاہور: ۲۰۰۲ء]

چند اہم کتابوں کے نام یہ ہیں: ابرِ گہربار، آئینہ خانہ، اقبال اور اس کا فارسی کلام۔ ایک مطالعہ، شاہ جہان، خاقانیِ ہند، حرفِ نشاط آور، چناب سے پدما تک، ہماری موسیقی، گاندھی نامہ، منظوم اردو ترجمہ جاوید نامہ، اردو تھیسارس، اقبال اور اس کا پیغام

(۳) ایں نواہا روح را بخشد ثبات
گرمیِ او از درونِ کائنات

سوال: اس شعر میں گرمیِ او کا اشارہ ایں نواہا کی طرف ہے، یا روح کی طرف؟ نواہا کے ساتھ ایں (اشارۂ قریب) اور گرمی کے ساتھ او (اشارۂ بعید) بھی الجھن کا باعث ہے۔

(۴) ہیبتِ نظارہ از ہوشم ربود

سوال: اس مصرع میں فاعل ہوشم ہے، یا ہیبتِ نظارہ ___ اُس وقت میں ہوشم کو فاعل قرار دے رہا تھا۔ خالد صاحب کی وضاحت کے بعد اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

(۵) خالد صاحب نے اِس مصرع کی نثر یوں بتائی ہے:

''ہیبتِ نظارہ از مرا ہوش ربود / ہوشِ من ربود''

[ماہ نامہ صریر، کراچی: جون جولائی ۱۹۹۹ء: ص ۶۶]

(۶) جبرِ دینِ مردِ صاحب ہمت است
جبرِ مرداں از کمالِ قوت است
پختہ مردی پختہ تر گردد ز جبر
جبر مردِ خام را آغوشِ قبر

میں جبر کی دو صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ کامل مردوں کے جبر سے کیا مراد ہے اور ناقصوں کا جبر کیونکر اُن کی روحانی ترقی میں رکاوٹ بنتا ہے؟

(۷) حضرت علیؑ کا فرمانِ جلیل ہے:

رضینا قسمتہ الجبار فینا
لنا علم و للاعداء مال

فان المال یفنی عن قریب
وان العلم باق لایزال

(۸) علامہ اقبال کا شعر ہے:

شاعراں بزمِ سخن آراستند
ایں کلیماں بے ید بیضاستند

[جاوید نامہ]

ایک مصرع میں بیضا کے ساتھ فعل ناقص (ستند) کو جوڑ کر قافیہ کیا گیا ہے، جبکہ دوسرے مصرع میں آراستند قافیہ ہے۔ میرا سوال تھا کہ: فعل اور اسمِ صفت کو باہم قافیہ کرنا کیسا ہے؟

(۹) حق واری مرگ و عینِ زندگی ست
بندہ چوں میرد نمی داند کہ چیست؟
گرچہ ما مرغانِ بر بال و پریم
از خُدا در علمِ مرگ افزوں تریم

[جاوید نامہ]

سوال: پہلے شعر کے دوسرے مصرع میں نمی داند کا تلازمہ بندے کی طرف ہے، یا خُدا کی طرف؟

(۱۰) الاعراف ۷: ۸۹

(۱۱) الانفال ۸: ۸۰

(۱۲) الطلاق ۶۵: ۱۲

(۱۳) زهرها در بادۂ گل فامِ او
اره و کرم و صلیب انعامِ اوست

[طاسینِ زرتشت: جاوید نامہ]

زرتشت کے ضمن میں صلیب کا تذکرہ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟ حضرت مسیح تو زرتشت سے صدیوں بعد مبعوث ہوئے ہیں۔ کیا یہ علامہ اقبال کی تاریخی اور زمانی غلطی نہیں ہے؟

(۱۴) ابنِ سینا بر بیاضی دل نهد

[آنسوی افلاک: جاوید نامہ]

سوال: یہاں دل نہادن سے کیا مراد ہے؟

(۱۵) از نگاہِ خواجۂ بدر و حنینؐ
فقر و سلطان وارثِ جذبِ حسینؓ

سوال: فقر و سلطاں کی ترکیب کا کیا مطلب ہے؟ فقر کے ساتھ سلطانی [یعنی فقر و سلطانی] ہونا چاہیے، یا فقیر کے ساتھ سلطان [یعنی فقیر و سلطان] یا پھر فقرِ سلطاں۔

(۱۶) مراد: نذر صابری

حواشی خط نمبر ۱۲:

(۱) حضرت زکریا کی زوجہ الیشع [ایشاع] اور حضرت مریم کی والدہ حنہ اگر سگی بہنیں تھیں تو حضرت زکریا، حضرت مسیح کے رشتے میں نانا ہوتے ہیں، خالو نہیں۔ خالد صاحب سے سہو ہوا۔

(۲) پورا شعر یوں ہے:

زکریا کلو تر چرایو
یحییٰ گھوٹ کو ھایا

(۳) پورا شعر یوں ہے:

یحییٰ نال تلوار دے قتل کیتا
آری نال جا زکریا پاریو نئیں

حاشیہ خط نمبر ۱۳:

(۱) خالد صاحب کو اشتباہ ہوا، وگرنہ انھوں نے اپنے گرامی نامے میں حضرت مریم کی والدہ محترمہ کا نام گرامی حنہ ہی لکھا تھا۔ البتہ غالب کے مصرع میں وہ تنِ صحرا کی ترکیب کے بجائے رگِ صحرا لکھ گئے، جسے اُن کی ہدایت پر میں نے بدل دیا۔

حواشی خط نمبر ۱۴:

(۱) خالد صاحب نے میرے نام اپنے خط [نمبر ۱۲] کو معمولی تراش خراش کے بعد کالم کی صورت دی، جو اولاً بیا بہ مجلسِ اقبال کے عنوان سے جنگ، لاہور [۹۔ جولائی ۱۹۸۸ء] میں چھپا اور ثانیاً ماہ نامہ صریر، کراچی کے سال نامے بابت جون جولائی ۱۹۹۹ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ بقول علامہ عبدالعزیز خالد:

"ایک دقیقہ سنج، نکتہ طراز نے جسے تحقیق و تجسس کی چٹک ہے۔ راقم الحروف سے، اسے اپنے حُسنِ ظن سے معنی نگار و سخن شناس سمجھتے ہوئے، جاوید نامہ کے چند اشعار کی توضیح و تشریح کے لیے رجوع

کیا۔ راقم نے اِس اشتباہ کو کو مدِ نظر رکھتے ہوئے: ہر چیز لعنت ملامت کرے ، علم کو جو چھپاتا ہے اُس پر یہاں تک کہ دریاؤں کی مچھلیاں اور پنچھی پکھیرو ہوا کے۔
حالانکہ اِسے علم کا مطلق دعویٰ نہیں، مگر اس قولِ سدید کے مطابق: من ظن بك خیراً فصدق ظنہ 'جو تجھ سے حُسنِ ظن رکھے تو اُس کے حُسنِ ظن کی لاج رکھ اور حتی الوسع اُس کو سچا ثابت کرنے کی کوشش کر۔
حسبِ استعداد جواب دینے کی ہامی بھری"۔

[ماہ نامہ صریر، کراچی: جون جولائی ۱۹۹۹ء: ص ۶۵]

(۲) میری مرتبہ کتاب ڈاکٹر غلام جیلانی برق کے خطوط کی طرف اشارہ ہے۔
(۳) میں نے سوال کیا تھا کہ: معنوی اعتبار سے کاش کہ اور کاشکے میں کیا فرق ہے اور کیا کاشکے کو کاش کے بھی لکھا جا سکتا ہے؟ خالد صاحب نے مختلف لغات کے حوالے سے ان الفاظ کے اندراج تو دیے ہیں، لیکن میرے سوال کی طرف توجہ مبذول نہیں فرمائی۔ البتہ مولانا غلام رسول مہر [م ۱۹۷۱ء] نے ان الفاظ پر نہایت خوبصورت اظہار خیال کیا ہے۔ یہ اقتباس یقیناً بے محل نہیں ہوگا:

"یك کاشکے بود کہ بصد جا نوشتہ ایم
میں وہ کاش کے ہے، جسے اکثر اہلِ علم و فضل اس مصرعہ میں کاش کہ پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ بالکل غلط ہے۔ صحیح کاشکے ہی ہے اور میرزا کا یہ کہنا کہ یک کاشکے اس سے مراد ایک ہی لفظ ہے، نہ کہ دو۔ کاش اور کے ________"۔

[نقوشِ مہر: حضور امام کاظمی: اظہار سنز، لاہور: ۲۰۰۸ء، ص ۲۳۵]

(۴) رشید حسن خاں نے لکھا ہے:
"درج ذیل الفاظ ____ اور معانی کے علاوہ، ناموں کے طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں۔ یہ لفظ خواہ بطور نام آئیں، یا کسی اور معنی میں، ہر صورت میں ان کو الف سے لکھا جائے گا: بشرا، کبرا، لیلا، مصطفا، مجتبا، مرتضا، ہدا، عیسا، موسا، یحیا"۔

[اردو املا: ص ۵۳۔۵۴]

خط نمبر ۱۵:

(۱) میں نے خالد صاحب کو ڈاکٹر نثار احمد قریشی [م ۲۰۰۷ء] سابق صدر شعبۂ اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی دو کتابیں: (۱) صوفی تبسم۔ احوال و آثار [ناشر: کلاسیک، لاہور:

۲۰۰۳ء] اور (۲) دنیا جن سے روشن ہے [ناشر: پنجابی ادبی سنگت، اٹک: ۲۰۰۳ء] بھجوائیں۔
اس خط میں اُن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔
(۲) صوفی تبسم۔ فن اور شخصیت کے عنوان سے ڈاکٹر قریشی کا تحقیقی مقالہ مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد نے ۲۰۰۷ء میں شائع کیا۔
(۳) میں اجمال کے نام سے ایک شش ماہی رسالہ مرتب کرنے کی دُھن میں تھا۔ اس میں خالد صاحب کو بھی لکھنے کی دعوت دی۔ پرچے کے لیے لوازمہ بھی اکٹھا کر لیا تھا، لیکن اس کی صورت گری ممکن نہیں ہو پائی۔

خط نمبر ۱۶:

(۱) میں قرار واقعی کو بلا اضافت اور فردِ فرید کو اضافت کے ساتھ پڑھتا ہوں، لیکن ایک بزرگ کو اس کے برعکس بولتے سنا تو ان تراکیب کے درست اور صحیح تلفظ کے لیے خالد صاحب سے رجوع کیا۔ ڈاکٹر گیان چند جین نے بھی اپنی کتاب رموزِ غالب کے ایک مضمون میں قرارِ واقعی کو اضافت کے ساتھ [اگر یہ کتابت کی غلطی نہیں ہے تو] لکھا ہے۔ کتاب کی فنی تدوین رفیق احمد نقش نے کی ہے۔ [ادارۂ یادگارِ غالب، کراچی: پہلا پاکستانی ایڈیشن ۱۹۹۹ء: ص ۲۳]
(۲) سوال: گرد باد کے معنی بگولے اور جھکڑ کے ہیں۔ گرد باد کا کیا مطلب ہے؟
(۳) سودا کی جو بالیں پہ ہوا شورِ قیامت
خُدام ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے
سوال: اس شعر میں خُدام کے بعد ندائیہ لگانا درست ہے، یا نہیں۔ نیز اس مصرع کا مطلب کیا ہے؟
(۴) علامہ اقبال کی نظم روحِ ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے [بالِ جبریل] میں ایک مصرع ہے:
محنت کش و خوں ریز و کم آزار ازل سے
سوال: خوں ریز ___ کم آزار کیسے ہو سکتا ہے؟
(۵) سوال: کیا سنگ و میل اور سنگِ میل ہم معنی تراکیب ہیں، یا مختلف اور متضاد المعانی ___ اور کیا سنگِ میل کے معنوں میں سنگ و میل درست ترکیب ہے، یا ___! علامہ اقبال نے خضرِ راہ [بانگِ درا] میں یہ ترکیب برتی ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے نام ایک خط میں ڈاکٹر سید عبداللہ نے اس ترکیب کی وضاحت کرتے ہوئے خالد صاحب کے بالکل برعکس

ارشاد فرمایا ہے۔ وہ رقمطراز ہیں: ''آپ کی اُلجھن یہ معلوم ہوتی ہے کہ 'سفر بے سنگ و میل' کے بجائے 'سفر بے سنگِ میل' (بغیر واوٗ عاطفہ) ہونا چاہیے اور عام خیال کے مطابق آپ کی تشویش بے جا بھی نہیں، کیونکہ نئی اردو میں 'سنگِ میل' کی ترکیب آج کل مروج و مقبول ہو گئی ہے اور مراد اس سے لی جاتی ہے وہ پتھر، جس پر راستے کے میلوں (یا فاصلے) کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ بظاہر یہ انگریزی کے Milestone کا ترجمہ ہے اور چل رہا ہے، لیکن پرانی فارسی میں سنگِ میل کوئی ترکیب نہیں۔ میں غیاث اللغات کی حد تک کہہ رہا ہوں (ابھی اور بھی سراغ لگاؤں گا)...۔ سنگ الگ ہے، میل الگ ہے۔ سنگ کے معنی پتھر وغیرہ اور میل کے دو تین معنی ہیں: (۱) سرمہ لگانے والی سلائی (۲) منارکه به جهت علامتِ فرسنگ در راه سازند (۳) کروہ کوس (۴) میخ آهنی كه برسرِ گنبد نصب کند (۵) بہارِ عجم کے حوالے سے لکھا ہے: ثلث فرسنگ است که آنرا کروه گویند. چون بر سر هر کروهے علامت براے تمام شدن کروه بصورتِ میل ساخته باشند مجازاً آن مسافت را نیز میل گویند (۶) مُدر۔ لہٰذا یہاں میل کے معنی ہوئے منار (یا برجی) جو کوس کے ختم ہونے کی علامت کے طور پر بنائی جاتی تھی۔ اردو میں (جامع اللغات کی حد تک) سنگِ میل کوئی ترکیب نہیں، البتہ میل کے ایک معنی دیے ہیں: 'وہ پتھر جو بطور نشان کے راستوں پر لگا ہوتا ہے۔' شاید پتھر سے مراد منار یا برجی ہی ہوتا ہے، جیسا کہ فارسی میں ہے۔ اردو میں ایک لفظ سنگِ نشاں ہے اور اس کے معنی ظاہر ہیں۔ بہر حال سنگِ میل کوئی لفظ نہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سنگ عام علامت ہے، جو ضروری نہیں کہ کوس کے اختتام کو ظاہر کرتی ہو۔ یہ کوئی علامت بھی ہو سکتی ہے، مگر کسی ایک راستے میں کسی دوسرے راستے کی طرف آنے والے کسی گاؤں، یا شہر کا نام، یا تصویر، یا اشارہ۔ اس کے مقابلے میں میل خاص علامت ہے، جو برجی، یا پست سے مینار کی صورت میں صرف کوس کے خاتمے کا اعلان کرتی ہے۔ بالکل نئے دور میں، زیادہ تر علامہ کے اس شعر کے بعد کے زمانے میں، سنگِ میل کا رواج زیادہ ہو گیا ہے، جو صحیح، یا غلط کی بحث سے قطع نظر محض Milestone کا ترجمہ ہے اور فارسی، یا اردو کے پرانے استعمال سے مختلف ہے۔ لہٰذا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ علامہ کے کلام میں 'بے سنگ و میل' کی ترکیب بالکل صحیح ہے۔'' [علامہ اقبال۔ مسائل و مباحث: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی: اقبال اکادمی پاکستان، لاہور: بار اول ۲۰۱۲ء، ص ۲۳۰۔۲۳۱]

(۲) روح و رواں کے حوالے سے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں [م ۲۰۰۵ء] نے لکھا ہے:

''اس کے متعلق استاذی مولانا احسن مارہروی مرحوم نے علی گڑھ انٹرمیڈیٹ کالج

میگزین (بابت اکتوبر ۱۹۳۰ء) میں لکھا ہے: "آج کل عمر رواں اور آبِ رواں کی طرح روحِ رواں کی ترکیب بھی بکثرت تحریروں میں دیکھی جاتی ہے۔ میری تحقیق میں روح نہ عمر کی مترادف ہے، نہ وہ ہر وقت پانی یا عمر کی طرح رواں رہتی ہے، بلکہ اس کی روانی کا اطلاق صرف مرنے پر ہوسکتا ہے۔ چنانچہ روح و رواں عطفِ واؤ تفسیری کے ساتھ لکھنا چاہیے، جیسے: رنج وغم، عیش ونشاط وغیرہ"۔

[سہ ماہی نئی عبارت [ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نمبر] حیدرآباد:
جولائی تا دسمبر ۱۹۹۸ء، ص ۳۹۹]

علامہ اقبال نے اپنی ایک طویل نظم آفتاب [بانگِ درا] میں یہ ترکیب دونوں طرح برتی ہے:

الف: اے آفتاب! روح و روانِ جہاں ہے تو

ب: دل ہے، خرد ہے، روحِ رواں ہے، شعور ہے

سوال: کیا روحِ رواں کی ترکیب روح و رواں کے معنی میں درست ہے؟

(۷) ضربِ کلیم کی ایک نظم صبحِ چمن میں محبتِ پرواز کی ترکیب آئی ہے:

ہوتا ہے مگر محنتِ پرواز سے روشن
یہ نکتہ کہ گردوں سے زمیں دور نہیں ہے

لفظ پرواز میں اوپر اٹھنے اور بلندی کی طرف اڑنے کا معنوی احساس پایا جاتا ہے۔ کیا بلند مقام سے نیچے آنے کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوسکتا ہے؟ جیسا کہ علامہ نے کیا ہے؟

(۸) تاک میں بیٹھے ہیں مدت سے یہودی سود خوار
جن کی روباہی کے آگے ہیچ ہے زورِ پلنگ
خود بخود گرنے کو ہے پکے ہوئے پھل کی طرح
دیکھیے پڑتا ہے آخر کس کی جھولی میں فرنگ!

پہلے شعر میں یہودی قوم کا ذکر ہے، جس کی سودخوری اور روباہ صفتی کے آگے زورِ پلنگ بھی ہیچ ہے۔ اگر یورپ رفرنگ نے اس کی جھولی میں گرنا ہوتا تو پھر چوتھے مصرع میں حرفِ استفہام کس لانے کی ضرورت نہ تھی۔ اب موجودہ صورت میں کس کا اشارہ کس کی طرف ہے، یعنی دوسری قوت [جھولی] کون سی ہوسکتی ہے؟ جسے علامہ نے محذوف رکھا ہے۔

(۹) چراغ حسن حسرت [م ۱۹۵۵ء] کی ایک کتاب کا عنوان ہے: مردم دیدہ _____ کتاب

مذکور کا عنوان مردم دیدہ [بلا اضافت] صحیح ہے، یا مردمِ دیدہ [اضافت کے ساتھ]، یا دونوں طرح!
____ خالد صاحب نے اس سلسلے میں کافی و شافی جواب سے شاد فرمایا۔ مشفق خواجہ نے بھی اپنے ایک خط بنام طیب منیر میں اس ترکیب پر نہایت عمدہ گفتگو کی ہے، جس سے استاذی خالد صاحب کے موقف کی تائید بھی ہوتی ہے اور وضاحت بھی: ''لفظ مردم سے متعلق دو بنیادی باتیں ذہن میں ہونی چاہییں: (۱) اس کے لفظی معنی مرد، انسان، عام لوگ تو ہیں ہی، ساتھ ہی یہ شائستہ، مہذب اور نفیس انسان/انسانوں کے لیے بھی آتا ہے۔ (۲) یہ لفظ بہ یک وقت واحد بھی ہے اور جمع بھی، یعنی ایک کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور ایک سے زائد کے لیے بھی۔ البتہ فارسی میں جمع 'مردمان' بھی رائج ہے۔ مردمِ دیدہ کے معنی ہیں: وہ شائستہ، نفیس اور مہذب لوگ، جنھیں دیکھا گیا، یا جو نظر سے گزرے۔ مردم دیدہ (بغیر اضافت) کے معنی ہیں: وہ جس نے آدمیوں کو دیکھا ہو، جیسے: گرگ باراں دیدہ (مرادی معنوں سے قطع نظر) وہ گرگ جس نے باراں کو دیکھا ہو۔ حسرت کی کتاب کا موضوع وہ لوگ ہیں، جنھیں حسرت نے دیکھا، اس لیے صحیح نام مردمِ دیدہ ہی ہے''۔

[خطوطِ مشفق: ڈاکٹر طیب منیر: یورب اکادمی، اسلام آباد: ۲۰۰۷ء، ص ۶۵۔۶۶]

(۱۰) میں نے استفسار کیا تھا کہ نبی کریمؐ کے اسمائے مبارکہ میں ایک نام 'ترازی' ملتا ہے۔ یہ کس زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی کیا ہیں؟ خالد صاحب نے شعر لکھنے کے لیے فرمایا۔ میری نظر سے کوئی ایسا شعر نہیں گزرا، جس میں یہ لفظ استعمال ہوا ہو۔ البتہ اسمائے رسولؐ کے ذیل میں یہ نام کئی کتابوں میں پڑھنے کو ملا۔

(۱۱) خالد صاحب کا ایک مصرع ہے:

قوافی دوہاجو، اچھوتے خیال

میں نے پوچھا تھا کہ دوہاجو کا کیا مطلب ہے اور اس کا تلفظ کیا ہے، یعنی حرف جیم مضموم ہے، یا مفتوح؟ ____ ہندکو میں دوہاجو اُس عورت کو کہتے ہیں، جس نے دوسری شادی کی ہو۔ انھیں معنوں میں یہ لفظ بانو قدسیہ کے ناول راجہ گدھ میں بھی آیا ہے۔

(۱۲) الرحمٰن ۵۵:۴۷

(۱۳) کوئی منہ بند کلی، کوئی اَچھوتا موتی!
گو کلف چہرے پہ ہے جسم ہے لیکن بے داغ
بانچھ اُس کے بدن کا ہے مقفل اب تک
کورے ہونٹوں کے دہانے کا ہے سوتا محفوظ
دوسری دیویوں کی طرح اس ابلا نے کبھی
بسترِ عیش کی زینت نہ بنایا خود کو
کبھی آغوشِ گلوگیر میں تڑپی، نہ بھنچی
اُس نے دیکھا نہ کبھی پنجہ و بازو کا فشار

[سلومی: شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، بار سوم جولائی ۱۹۷۳ء، ص ۲۴]

(۱۴) مولانا احسن مارہروی نے لکھا ہے:

''کھائیل اردو کا لفظ ہے۔ محققین اس پر ہمزہ نہیں لکھتے اور قاتل وغیرہ کا قافیہ نہیں کرتے، بلکہ ازیل، کھریل کی طرح یل کو حرفِ نسبت سمجھتے ہیں''۔ [مکاتیبِ احسن (جلد اول)، ڈاکٹر سنوان چشتی و صغیر احسنی جلال آبادی: اردو سماج نئی دہلی، ستمبر ۱۹۷۷ء، ص ۲۵۸]

مولانا مرحوم کا یہ قول مجھے عجیب سا لگا کہ کھائیل کا قافیہ قاتل نہیں ہو سکتا تو میں خالد صاحب سے رہنمائی کا طلبگار ہوا۔

(۱۵) اُن دنوں میرا بیٹا پہلی جماعت میں پڑھتا تھا۔ میں اُسے اردو کا قاعدہ توڑ جوڑ سے پڑھا رہا تھا۔ چند لفظوں کے سلسلے میں مجھے جوڑ بتاتے ہوئے شبہ سا تھا۔ چنانچہ میں نے اِن لفظوں کے جوڑ خالد صاحب کو لکھ بھیجے، تاکہ وہ اس ضمن میں رہنمائی فرمائیں۔ انھوں نے مجھے موقوف، مجزوم اور غنہ جیسی اصطلاحات سے اجتناب کرنے کی ہدایت کی اور نہایت سادہ انداز سے پڑھانے کا طریقہ کار بتایا۔

(۱۶) سوال: پہلی جماعت کے قاعدے کے مرتبین نے مخلوط آوازوں میں رھ بھی شامل کی ہے، مگر کوئی لفظ، بطور مثال ایسا نہیں بتایا، جس کی ابتدا رھ سے ہوتی ہو۔ اگر ممکن ہو تو چند مثالیں لکھ دیں۔

حواشی خط نمبر ۱۷:

(۱) مولانا احسن مارہروی نے خسرو کو رہرو کے وزن پر نظم کرنے کو غلط کہا ہے، وہ را کو مضموم جانتے

ہیں۔[مکاتیب احسن ،ص ۲۳۷] خسرو کا یہ تلفظ میرے لیے بالکل نیا تھا۔ میں نے خالد صاحب کو زحمت دی کہ وہ اس ضمن میں رہنمائی فرمائیں کہ خسرو کا صحیح اور درست تلفظ خُسرَو ہے، یا خُسْرُو؟

(۲) سوال: دیوتا کا وزن فاعلن ہے، یا فعولن!

(۳) سوال: صحیح لفظ آتَش ہے، یا آتِش!

(۴) عُفو کو سعدی نے عَفو باندھا ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟

(۵) السنن الکبریٰ ۔ ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب بن علی الخرسانی النسائی [م ۳۰۳ھ]: حدیث نمبر ۱۰۶۵۱

(۶) لفظ ترازی کی تحقیق میں مولانا محمد عبدالمعبود [جامع مسجد پھولوں والی، راولپنڈی] کا ایک خط ہفت روزہ خدام الدین ،لاہور میں شائع ہوا تھا۔ موضوع زیر بحث سے مطابقت کی وجہ سے اسے یہاں نقل کیا جاتا ہے:

"مکرمی و معظمی جناب مدیر صاحب! ہفت روزہ خدام الدین لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ۲۳ رجون ۱۹۸۹ء کے خدام الدین میں لفظ ترازی کی تحقیق کا عنوان نظر نواز ہوا، جس میں محترم جناب پروفیسر محمد اقبال جاوید مدظلہ، نے ایک انتہائی اہم امر کی طرف اہل علم حضرات کی توجہ مبذول کرائی ہے۔ موصوف نے لفظ ترازی کی بجائے لفظ نزاری کو زیادہ قرین قیاس قرار دیا ہے اور ساتھ ہی اس کی تحقیق کے طلبگار بھی ہوئے۔ راقم آثم نے اس مکتوب کی روشنی میں اپنی محدود علمی بساط کے مطابق چند معتبر کتب کی طرف مراجعت کی، لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ میں نہ تو لفظ ترازی مرقوم ہے اور نہ ہی نزاری۔

میں نے حسب ذیل کتب دیکھی ہیں:

الشفاء، قاضی عیاض ، اس کی شرح نسیم الریاض ، امام شہاب الدین الخفاجی کی عمدۃ القاری علامہ بدرالدین ابی محمد محمود بن العینی ، نووی شرح مسلم اور لسان العرب ۔ علاوہ ازیں امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی (المتوفی ۹۴۲ھ) نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب سُبُل الھدیٰ و الرشاد فی سیرۃ خیر العباد جلد اول میں پانچ سو اسمائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی تشریحات قلمبند فرمائی ہیں، لیکن ان میں بھی مذکورہ الفاظ شامل نہیں ہیں۔ میرے خیال میں یہ

الحاقی الفاظ ہیں، جو بلا تحقیق نقل در نقل ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ میری تجویز یہ ہے کہ جن قرآن مجید کے اندر اسمائے مبارکہ میں "ترازی" مرقوم ہے۔ اُن کے ناشران سے اس کا مآخذ دریافت کیا جائے اور اگر وہ بھی اِس کا مآخذ پیش نہ کر سکیں تو انھیں اپنی غلطی کا برملا اظہار کرنا چاہیے، تاکہ مسلمان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کی طرف کسی ایسے نام کو منسوب کرنے سے باز رہیں، جو آپ کے اسماء میں شامل نہیں ہے"۔

[خدام الدین: ۲۸۔ جولائی ۱۹۸۹ء، ص ۶]

حواشی خط نمبر ۱۸:

(۱) خالد صاحب نے اپنے نعتیہ مجموعے فارقلیط [ناشر: کتابستان بک گیلری، لاہور] کا تازہ ایڈیشن [بارِ پنجم: اپریل ۲۰۰۲ء] بھجوایا۔ دورانِ مطالعہ اس میں پروف کی متعدد اغلاط نظر آئیں۔ میں نے انھیں لکھا کہ: لگتا ہے پروف آپ کی نظر سے نہیں گزرے، کیونکہ کمپوزر نے حروف چینی کے دوران میں بعض لفظوں کی ریڑھ مار دی۔ وہ کمپیوٹر کا فنی و عملی تجربہ تو یقیناً رکھتا ہوگا، مگر لفظوں کی بناوٹ اور انھیں جوڑنے کا کچھ زیادہ ذوق و شعور نہیں رکھتا۔ بعض لفظ محض اُس کی عدم توجہ سے بدوضع ہو گئے، حالانکہ کمپیوٹر میں سہولت موجود تھی اور اس سے ممکنہ استفادہ لفظوں کی صورت کو عیب دار نہ کرتا۔ مثال کے طور پر وہ تراکیب، جن میں ہمزۂ اضافت آیا ہے، اکثر و بیشتر مقامات پر اُن کی صورت بدل گئی اور اُن کا املا بھی متاثر ہوا ہے۔

اِس خط میں خالد صاحب نے اُن مقامات کی نشاندہی کرنے کے لیے فرمایا۔ میں نے صفحہ بہ صفحہ اُن اغلاط کی نشاندہی کی، جو حروف چیں کی عدم توجہ اور شاعری کی کمپوزنگ میں اُسے فنی مہارت نہ ہونے کے سبب رہ گئیں۔

(۲) مکتبۂ رشیدیہ، لوئر مال، لاہور کے مالک و مہتمم مولانا عبدالرشید ارشد مراد ہیں۔ مولانا مرحوم میرے محترم اور مہربان بزرگ تھے اور خالد صاحب کے مداح اور عقیدت گزار۔ میں پہلی بار اُن کے ساتھ خالد صاحب کے ہاں حاضر ہوا تھا۔ وہ یکم ستمبر ۱۹۳۳ء کو ہری پور تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں متولد ہوئے۔ درسِ نظامی کی تعلیم خیر المدارس، ملتان سے پائی۔ ۱۹۷۳ء میں مکتبۂ رشیدیہ کی بنیاد رکھی۔ دینی موضوعات پر بہت اہم کتابیں شائع کیں۔ الرشید کے نام

سے ایک ماہ نامہ بھی نکالتے تھے، جس کے خاص نمبر بہت مقبول ہوئے، مثلاً: دارالعلوم دیوبند نمبر، مدنی و اقبال نمبر، نعت نمبر [۲ جلدیں]، شہید پاکستان نمبر وغیرہ۔

۱۷۔جنوری ۲۰۰۶ کو وفات پائی اور لاہور میں مدفون ہوئے۔

چند اہم کتابیں: تیس بڑے مسلمان، تذکرہ مولانا محمد یوسف دہلوی، تیس مردانِ حق [۲ جلدیں]، واردات و مشاہدات، افادات مولانا محمد یوسف دہلوی وغیرہ [سید انیس شاہ جیلانی کے خطوط: عبدالعزیز ساحر (مرتب)؛ ادارہ فروغ معارف نظامیہ، اسلام آباد: دسمبر ۲۰۱۵ء]

(۳) کتاب العلم: خالد اکیڈمی، لاہور: بار اوّل ۱۹۹۰ء ____ تین فصلوں، اڑتیس ابواب اور آٹھ سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب علم اور اس کی اہمیت و افادیت کا خزینہ ہے۔ خالد صاحب کے بقول:

> ''آیات، احادیث، اقوال اور ادبیات کی روشنی میں علم کا مقام و مرتبہ اسلامی نظامِ اقدار میں ____ یہ ہے موضوع اس کتاب کا ____ موضوع اتنا بسیط؛ اس قدر ہمہ گیر ہے کہ اس کے عُشرِ عَشیر کا بھی احاطہ مجھ ایسے کم علم و بے بضاعت کے لیے کڑی آزمائش کا حکم رکھتا ہے، مگر کم علمی کو بھی تو علم ہی کی مسیحا نفسی سے کم کیا جا سکتا ہے۔ استعداد محدود بھی ہو، تب بھی بہ قدرِ مقدور کوشش ہر ابن آدم پر فرض ہے: بباشد بہ قدرِ کوششِ تو اعتبارِ تو'' [کتاب العلم: ص ۵]

حاشیہ خط نمبر ۱۹:

(۱) میرا سوال تھا: کیا سعدی کے اس مصرع:

مـــی بتـــابـــد چـــوں روزِ رخشـــنـــده

____ میں تابد [مضارع] کے ساتھ مَی اور بہ کا بہ یک وقت استعمال فارسی قواعد کے مطابق درست اور جائز ہے؟ خالد صاحب جواب دیتے وقت بہ کے تزئینی اور آرائشِ حُسنِ بیان کی طرف متوجہ ہو گئے اور میرا سوال تفہیم اور تعبیر سے محروم رہ گیا۔

حاشیہ خط نمبر ۲۰:

(۱) میں نے سودا کے اس نعتیہ شعر کی معنویت دریافت کی تھی اور پوچھا تھا کہ زنارِ تسبیحِ سلیمانی سے کیا مراد ہے اور کفر ثابت کیونکر کر تمغائے مسلمانی ہو سکتا ہے؟ استادِ محترم نے شعر کی عدم

تفہیم کا ذکر فرمایا۔ البتہ نولکشور کے نسخے [مطبوعہ ۱۹۳۲ء] کے مطابق شعر کی تصحیح کر دی۔ میں نے وہ کی جگہ یہ اور تو بی کی جگہ تو نے کے الفاظ لکھے تھے۔

ڈاکٹر عندلیب شادانی نے اپنے ایک مضمون سرقہ اور توارد میں نعمت خاں عالی کے ایک شعر کے تناظر میں سودا کا یہ شعر نقل کیا ہے۔ انھوں نے ان اشعار کے بین السطور فکری ارتباط پر گفتگو کرتے ہوئے اس شعر کی معنویت کی طرف بھی قدرے اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"مصرع ثانی کا مطلب یہ ہے کہ شیخ لاکھ کفر سے گریز کرے اور زنار توڑ کے اس کے بدلے تسبیح پہنے، مگر تسبیح کے دانوں میں خود زنار موجود ہے اور اس زنار کا توڑنا شیخ کے بس کی بات نہیں۔ سنگِ سلیمانی میں جو باریک خطوط ہوتے ہیں، انھیں کو زنار سے تشبیہ دی گئی ہے اور شاعر نے یہ بھی فرض کرلیا ہے کہ شیخ کی تسبیح سنگِ سلیمانی کی ہے۔ سودا کے شعر میں شکوہ اور طمطراق بہت ہے مگر مضمون محض خیالی ہے۔ عالی کا شعر واقعی عالی ہے"۔

[تحقیق کی روشنی میں: شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور: اول ۱۹۶۳ء، ص ۷۷]

خط نمبر ۲۱:

(۱) میں نے خالد صاحب کے لیے ایک نظم کہی تو اس کی ایک کاپی انھیں بھجوائی۔ یہ گرامی نامہ نظم کی رسید ہے۔ بعد ازاں یہ نظم ماہ نامہ الحمرا، لاہور [فروری ۲۰۰۴ء: ص ۳۲]، روز نامہ نوائے وقت، اسلام آباد [۳۰۔ نومبر ۲۰۰۴ء] اور لب جو [عبدالعزیز خالد نمبر] مجلہ گورنمنٹ اسلامیہ ڈگری کالج، سانگلہ ہل: ۲۰۱۱ء: ص ۱۳۳ پر شائع ہوئی:

ابوالکلام بھی تو ہے ابوالمعانی بھی
دیارِ شعر میں تیری ہے حکمرانی بھی
ورائے لفظ بھی حسنِ کلام رکھتا ہے
درونِ لفظ میں ہوتی ہے اک کہانی بھی
ترے خیال کی خوشبو میں سانس لیتے ہیں
طلسمِ لفظ بھی گنجینۂ معانی بھی
تمام اہلِ سخن جان و دل سے مانتے ہیں

زباں شناسی بھی تیری ، زبان دانی بھی
تری متاعِ تخیل سے پھول چنتے ہیں
طلسم خواب بھی اور خواب کی کہانی بھی
وہ تیرے حسنِ تخیل کے سامنے ہیں خجل
نگار خانۂ بہزاد اور مانی بھی
میں کس طرح ترے حسنِ کمال تک پہنچوں!
کہ اس مقام پہ درماندہ ہے قاآنی بھی
طریقِ شعر میں تجھ سے ہی میری بیعت ہے
جبھی تو حسنِ قلم میں ہے یہ روانی بھی
میں ایک عمر سے ہوں تیرے راستے کا غبار
پہ مجھ سے بڑھ کے کہیں عفتؔ موہانی بھی

(۲) عفت موہانی [اصل نام: سیدہ خورشید سلطانہ] ہندوستانی افسانہ نگار، ناول نویس اور استادِ ادبیاتِ اردو ___ خالد صاحب کی بے پناہ عقیدت گزار اور مدح سرا ___ ارمغانِ خالد [مرتبہ: ڈاکٹر نصیر احمد ناصر] میں خالد صاحب کے ساتھ اُن کی مراسلت پر ایک پورا گوشہ شامل ہے۔ وہ مولانا حسرت موہانی کے خانوادے سے تھیں۔ ۲۵؍ جولائی ۱۹۳۴ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ ۲۰۰ سے افسانے لکھے۔ ناولوں کی تعداد بھی سو کے قریب ہے۔ ۲۰۰۴ء میں ان کی علمی اور ادبی خدمات پر پروفیسر بیگ احساس کی نگرانی میں عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد دکن کی ایک طالبہ نے ایم فل کا مقالہ لکھا۔ ان کی چند اہم تخلیقات کے نام یہ ہیں: محبت نام ہے غم کا [۱۹۷۳ء]، ہم سفر [۱۹۷۵ء]، تقدیر [۱۹۷۶ء]، سویرے [۱۹۷۷ء]، پرائی آگ [۱۹۷۷]، پیاسی برسات [۱۹۷۹ء]، نغمۂ سنگ [۱۹۷۹ء]، ہم تو جیے بس تیرے لیے [۱۹۸۱ء]، موم کی زنجیریں [۱۹۸۱ء]، پھول کا دل [۱۹۸۲ء]، ہار جیت [۱۹۸۴ء]، خوابِ تمنا [۱۹۸۹ء]، تشنہ کام [۱۹۹۰ء]، وفا جن سے کی [۱۹۹۰ء]، اگن برہا کی [۱۹۹۰ء]، دل آباد [۱۹۹۰ء]، لبنیٰ، ملن کے سپنے ، فاصلے اور منزلیں ، کرنوں کی مہک ، صنم، داغِ دل ، بزدل ، خلش ، آخری تحفہ

۱۲۔ نومبر ۲۰۰۵ء کو وفات پائی اور حیدر آباد دکن میں مدفون ہوئیں۔ [عفت موہانی کے حوالے سے مختلف Websites سے استفادہ]

خط نمبر ۲۲:

(۱) سوال: حافظ کے شعر میں آمدہ ترکیب ملازمانِ سلطاں سے مراد سلطان کے ملازم ہیں، یا خود سلطان!

(۲) سوال: آرتی کا وزن فاعلن ہے، یا فعولن!

(۳) سوال: کسر کو فَعِل کے وزن پر نظم کرنا چاہیے، یا فَعْل کے وزن پر!

(۴) سوال: کوئی کا درست وزن فعلن ہے، یا فَعْل ـــــ بعض شاعروں نے اسے فَع کے وزن پر بھی باندھا ہے۔

(۵) سوال: ے اور ئے میں کیا فرق ہے؟

(۶) سوال: سعدی کے اس مصرع:

دست بہ گیرد سرِ شمشیرِ تیز

ـــــ میں سرِ شمشیر سے مراد دستہ/قبضہ ہے، یا دھار والا حصہ!

(۷) سوال: بارات اور برات میں کیا فرق ہے؟ کیا برات کے معنوں میں بارات درست ہے؟

(۸) قواعد کی کتابوں میں بیٹی کی تذکیر بیٹا بتائی گئی ہے اور بہو کی داماد ـــــ سوال: کیا بہو کا مذکر بیٹا اور بیٹی کا داماد نہیں ہونا چاہیے؟

(۹) سوال: ہندو کی تانیث ہندنی ہے، یا ہندوانی!

(۱۰) مشرق میں اصول دین بن جاتے ہیں [بانگِ درا]

بعض نسخوں میں (اور شارحینِ اقبال کے ہاں بھی) اصولِ دین ہے، حالانکہ اضافت کے بغیر مصرع بڑا واضح اور صاف ہے اور فنی اعتبار سے مکمل بھی۔ سوال: اضافت کے ساتھ اس کا مطلب کیا ہوگا اور کیا اضافت لگانے کی ضرورت ہے بھی؟

(۱۱) احمد ندیم قاسمی [م ۲۰۰۶ء] کا شعر ہے:

کیا بُرا ہے جو میں زخموں سے ہٹا کر پردے

گُل کھلاتا ہوں شب و روز کی ویرانی میں

[محیط]

یہاں گُل کھلانا لغوی معنوں میں آیا ہے۔ میں نے پوچھا تھا کہ: کیا محاورے کو مرادی/اصطلاحی معنوں کے بجائے اس کے لغوی معنوں میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے؟

(۱۲) حفیظ جالندھری [م ۱۹۸۲ء] نے فرمایا:

بتوں کی شوخیِ نقشِ کفِ پا کا میں قائل تھا
مگر سجدہ نہ کرنا میرے سر کی لغزشِ پا تھی

[چراغِ سحر]

سوال: سر کی لغزشِ پا کیا ہوتی ہے؟

(۱۳) میں نے عروضی قواعد سے ہٹ کر قومی ترانے کی تقطیع کی اور خالد صاحب سے پوچھا کہ: کیا یہ تقطیع درست ہے۔ تقطیع چونکہ مختلف اور قدرے متضاد زحافات سے کی گئی تھی، اس لیے اس کو کسی ایک بحر سے موسوم کرنا ممکن نہیں تھا۔____ [ویسے قومی ترانے کی تقطیع اور وزن و آہنگ کے لیے ملاحظہ ہو: اقبال ناز کا مضمون پاکستان کے قومی ترانہ کا عروضی جائزہ : ماہ نامہ ماہِ نو، لاہور: ستمبر ۲۰۰۱ء، ص ۵۔۷ اور آفتاب مضطر کا مقالہ پاکستان کا قومی ترانہ۔ تحلیلی اور عروضی تجزیہ : امتزاج مجلہ شعبہ اردو، کراچی یونیورسٹی، کراچی: شمارہ ۱: جنوری تا جون ۲۰۱۴ء، ص ۲۳۸۔۲۶۷]

خط نمبر ۲۳:

(۱) میں نے خالد صاحب کو لکھا کہ: سعدی کا مصرع:

دست بہ گیرد سرِ شمشیرِ تیز

گلستان کے پہلے باب کی پہلی حکایت کا ہے اور پورا شعر یوں ہے:

وقتِ ضرورت چو نماند گریز
دست بہ گیرد سرِ شمشیرِ تیز

سوال یہ کہ: سرِ شمشیر سے مراد تلوار کی ہتھی رقبضہ ہے، یا دھار والا سرا____ یعنی ضرورت کے وقت، جب گریز کی کوئی صورت نہیں رہتی تو مغلوب تلوار سونت لیتا ہے، یا ضربِ کاری سے بچنے کے لیے تلوار کے وار اپنے ہاتھ پر روکتا ہے اور سرِ شمشیر پکڑنے کی کوشش کرتا ہے۔

(۲) پوری رباعی یوں ہے:

مشہور زمانے میں ہے نامِ حالی
معمور مئے حق سے ہے جامِ حالی
میں کشورِ شعر کا نبی ہوں گویا
نازل ہے مرے لب پہ کلامِ حالی

[مظہرِ پاکستان: محمد حنیف شاہد: سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور: ۱۹۸۲ء، ص ۹۴]

(۳) علامہ اقبال کے اس مصرع:

مشرق میں اصول، دین بن جاتے ہیں

____ کو میں یوں سمجھتا ہوں کہ اصول، مشرق میں دین کا درجہ اختیار کر لیتے ہیں، جبکہ مغرب میں یہی اصول مشینی رعملی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ نیز مذکورہ مصرع میں اصولِ دین [اضافت کے ساتھ] پڑھنے سے فاعل کا پتا نہیں چلتا، لہٰذا مصرع مبہم ہو جاتا ہے [یا کم از کم میں سمجھتا ہوں!]

استفسار: کیا آپ اس مصرع کی قرأت اصولِ دین [اضافت کے ساتھ] کرتے ہیں اور اگر ایسا ہے، تو اصولِ دین کا فاعل کون ہوگا اور مصرع کا مطلب کیا بنے گا۔

خط نمبر ۲۶:

(۱) سوال: نونِ غنہ اگر لفظ کے درمیان میں آئے تو کیا یہ متحرک بھی ہو سکتا ہے؟

(۲) سوال: الف اگر کسی لفظ کے درمیان میں آئے اور متحرک [مفتوح] بھی ہو [مثلاً: متاثر، متامل وغیرہ] تو کیا اس پر ہمزہ لگانا ضروری ہے یا رشید حسن خاں کے مطابق: اس کے بغیر ہی لکھنا چاہیے؟

(۳) رشید حسن خاں کے بقول:

"کچھ لفظ ایسے بھی ہیں، جن کے بیچ میں الف مفتوح ہے، یہ سب عربی کے لفظ ہیں۔ عربی کے لحاظ سے اس الف پر ہمزہ بھی لکھا جانا چاہیے، مگر اردو میں اس قبیل کے اکثر لفظ ہمزہ کے بغیر ہی لکھے جاتے ہیں، جیسے: تامل کہ عربی میں تأمّل لکھا جائے گا، مگر اردو میں بھی تامّل لکھتے ہیں۔ ____ ایسے لفظوں کی فہرست یہ ہے: تاثّر، تاخّر، تاسّف،

تاملّ، تاہّل، توام، جرات، متاثر، متاخر، متانف، متاملّ، متاہل، توامان، متاخرین،

تاثرات، تاملّات"۔ [اردو املا: ص ۳۵۷۔۳۵۸]

(۴) غالب کا ایک مصرع:

چل نکلتے جو مے پیتے ہوتے

یہاں چل نکلنے کے معنی حد سے گزر جانے ربہک جانے کے ہیں، لیکن آج کل ہم اس محاورے کو اس طرح برتنے لگے ہیں: ماشاءاللہ! اس کا کاروبار چل نکلا ہے۔

سوال: کیا زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں اور مختلف زبانوں کے باہمی اثر ونفوذ سے محاورے کی معنوی فضا تبدیل ہوسکتی ہے؟

(۵) سوال: ڈیوڑھی، فاعلن کے وزن پر ہے، یا فعولن کے وزن پر!

(۶) سوال: تاملّ، فعولن کے وزن پر نظم ہوگا، یا مفعولن کے وزن پر!

(۷) سوال: قراءت: قیامت کے وزن پر ہے، یا جراءت کے وزن پر؟ شاداں بلگرامی نے بھی اس لفظ کے اوزان پر گفتگو کی ہے۔ علمی منفعت کے پیش نظر ان کی رائے یہاں نقل کی جارہی ہے:

"قراۃ کو اہل لغت بروزنِ فعولن لکھتے ہیں، مگر نظم میں اس کی کئی صورتیں پائی جاتی ہیں۔ کفایۃ القاری مصنفہ سیف الدین در فنِ قراءت میں حسبِ ذیل یہ الفاظ آئے ہیں۔ یہ بزرگ ہندی نہیں ہیں۔

پس بہ ہر حرف پاک از قرآن
صد نکوی رسد بہ قاری آن
در نشستہ بود رسد بہ پنجاہ
فلیُدِم قراءت للّٰہ

اس شعر میں بروزنِ فعول ہے۔ یہی دوسری جگہ کہتے ہیں:

ہر کسی کیں رسالہ بہ برخواند
پس قراءت صحیح تر خواند

یہاں بروزنِ فعولن ہے۔ ذیل کے شعر میں اس کی جمع قراءات بھی نظم کی ہے:

پس قراءات بہ سعۂ مذکور

ہست اندر دیارِ شاں مشہور

مرقع الغزلان فی رسم القرآن مصنفہ محمد حیدر ہندی:

یا موافق بود بہ قرأت ما

یا بود اندر وقف بہر جا

انھوں نے بروزنِ فعلن نظم کیا ہے۔ اردو میں بھی بروزنِ فعلن بہت نظم ہے اور طرہ یہ ہے

کہ بہ ترکیب فارسی ہے۔

قصیدہ ذوقؔ دہلوی:

کبھی میں حافظ قرآں ہوں بہ علم تفسیر
کبھی میں قاریِ قرآں ہوں بہ علم قراءۃ

قصیدہ نیاز احمد خان ہوشؔ بریلوی شاگرد جناب امیر مرحوم لکھنوی:

کبھی وہ شہ انجیل و زبور و توریت
مثلِ قاری کبھی کشافِ نکات قراءت
یہی دوسرے قصیدے میں کہتے ہیں:
وہ ہوں سن بلبلِ خوش لہجہ گلزار امامت کا
کہ رنگ آتا ہے نغمے میں مرے قرآں کی قراءت کا

ان اسناد سے ظاہر ہے کہ قراءۃ بروزنِ فعولن بھی ہے۔ لہٰذا صاحب غیاث کا بروزنِ حکمت لکھنا بیجا نہیں معلوم ہوتا"۔ (سید شاداں بلگرامی کے خط بنام محشر لکھنوی سے اقتباس مشمولہ مرقع ادب حصہ دوم مرتبہ صفدر مرزا پوری۔ دارالاشاعت صدیق بکڈپو، لکھنو: س ن: ص ۱۸۳۔۱۸۴)

(۸) سوال: کیا جملے اور فقرے میں فرق ہوتا ہے؟ اگر ہے تو مثال سے واضح کردیں۔

(۹) سوال: کیا واؤ کے علاوہ بھی، کوئی دوسرا حرف معدولہ ہوسکتا ہے؟

(۱۰) سوال: کیا فارسی کے علاوہ بھی کسی دوسری زبان میں واؤ معدولہ ہوسکتی ہے؟ ــــــ خالد صاحب نے بابائے اردو کی کتاب سے جو اقتباس نقل کیا ہے، اس کے مطابق واؤ معدولہ "خ" کے بعد آتی ہے۔ اسی طرح خالد صاحب نے اسے تنہا فارسی سے متعلق قرار دیا ہے، جبکہ مرزا

یاس یگانہ چنگیزی کے بقول: "واؤ معدولہ ____ اس کے قبل ہمیشہ ضمہ ہوتا ہے، جیسے: اولوالعزم"۔ [چراغِ سخن مرتبہ احمد رضا: مجلس ترقی ادب، لاہور: اول جون ۱۹۹۶ء، ص ۱۰۳]
اگر اولوالعزم میں واقعتہً واؤ معدولہ ہے تو پھر یہ صرف فارسی سے مخصوص نہیں، بلکہ عربی میں بھی مروج ہے۔ البتہ یگانہ کا یہ کہنا کہ: اس کے ماقبل حرف پر ہمیشہ ضمہ ہوتا ہے، محلِ نظر ہے۔
(۱۱) ابولہب کی کنیز کا نام، جس نے اُسے نبی کریم کی ولادت کی خوش خبری سنائی، ثوبیہ [بروزن فوزیہ] ہے، یا ثوبیہ [بروزن زبیدہ]، یا کچھ اور؟
(۱۲) شاعر کے اپنے سوادِ خط میں چھپی ہوئی طویل نعتیہ نظم ____ عبدہ: نعت اکادمی، فیصل آباد: طبع اول جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ: ص ۱۴۴
(۱۳) سوال: رشک کا فاعل [رشک کرنے والا] ہندکو میں راشک کہلاتا ہے۔ اردو میں اسے کیا کہیں گے؟

خط نمبر ۲۷:

(۱) میری اور ارشد محمود ناشاد کی نظمیں دربارۂ عبدالعزیز خالد، نوائے وقت، اسلام آباد کے ادبی ایڈیشن [۳۰۔ نومبر ۲۰۰۴ء] میں ایک ساتھ چھپیں تو میں نے اس کا تراشا انھیں بھجوایا۔ جواباً انھوں نے اظہارِ تشکر فرمایا۔

(۲) ذوقِ شہادتم را دستِ قضا بہ حنا

اس مصرع میں غالب نے حنا کو بہ تشدید نون نظم کیا ہے۔ میں نے دریافت کیا تھا کہ کیا یہ جائز ہے؟

(۳) غالب کے مصرع:

بہ جنگ باج ستانانِ شاخساری را

____ میں باج ستانانِ شاخساری کا مطلب صوفی تبسم نے: "ٹہنیوں سے پھول چننے والے باغبان لکھا ہے۔ [شرح غزلیاتِ غالب (فارسی): پیکیجز لمیٹڈ، لاہور: س ن: ص ۵۹۲]
شعری روایت میں پھول چننے والا گل چیں کہلاتا ہے اور پودوں کی تراش خراش اور باغ کی نگرانی کرنے والا باغبان ____

سوال یہ کہ: کیا باغبان کو گل چیں بھی کہا جا سکتا ہے، یعنی یہ دونوں کام ایک فرد بھی انجام دے سکتا ہے؟

(۴) غالب کے مصرع:

گل افگنیم و گلابے بہ رہ گزر پاشیم

"گل پاشی کریں اور راستے میں گلاب چھڑکیں"۔ (محولہ بالا: ص ۵۹۰)

سوال: کیا اردو میں گلاب (پھول) چھڑکنے کی ترکیب صحیح ہے، یعنی پھول بکھیرنے کے معنوں میں پھول چھڑکنے کی ترکیب استعمال کی جا سکتی ہے؟

(۵) سودا کا شعر یوں ہے:

گل پھینکے ہے عالم کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے خانہ برانداز چمن! کچھ تو ادھر بھی

مرتب کلیات نے مصرع اول کے دو اختلافی متن حاشیے میں درج کیے ہیں:

گل پھینکے ہیں اوروں کی طرف _ _ _ _ (ن)
گل پھینکے ہے اوروں کی طرف _ _ _ _ (ف)

[کلیاتِ سودا (غزلیات)، جلد اول: ڈاکٹر محمد شمس الدین صدیقی: مجلس ترقی ادب، لاہور: بار دوم ۱۹۹۲ء: ص ۳۹۴]

(۶) غالبِ سوخته جاں را به چه گفتار آری
به دیاری که نه دانند نظیری ز قتیل

صوفی تبسم نے اس کا مطلب لکھا ہے: "تو نے غالب سوختہ جاں کو ایسے دیار میں سخن آرائی پر کیوں مامور کیا ہے، جہاں لوگ نظیری اور قتیل میں فرق نہیں کر سکتے"؟ [شرحِ غزلیاتِ غالب (فارسی): ص ۴۶۳]

ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی نے اس کا یوں ترجمہ کیا: "جس دیس میں لوگ نظیری و قتیل میں امتیاز نہیں کر سکتے، وہاں غالب سوختہ جاں کا کیا ذکر کرتے ہو؟" [نقش ہای رنگ رنگ: شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی: بار اول ۱۹۷۰ء: ص ۲۰۲] غالب کے پہلے مصرع تک دونوں بزرگوں کی رسائی مختلف

انداز سے ممکن ہوئی۔ میں نے خالد صاحب سے پوچھا کہ: کون سے بزرگ غالب کے مصرع کی ترجمانی میں کامگار رہے؟

(۷) بهارم دیدن و رازم شنیدن بر نمی تابد
نگه تا دیده خون استی و دل تا زهره آبستی

صوفی صاحب: ''میری بہار یہ تاب نہیں لاسکتی کہ کوئی اسے دیکھے اور میرا راز یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی اسے سنے۔ میری نگاہیں آنکھوں سمیت خون ہو چکی ہیں اور دل پتے سمیت گداز ہو چکا ہے''۔[شرح غزلیات غالب (فارسی): ص۸۴۲]

صدیقی صاحب: ''میری بہار دیکھنے اور میرا راز سننے کی کسی میں تاب نہیں، کیونکہ نگاہ سے لے کر آنکھ تک سب خون ہو چکا اور دل سے لے کر پتے تک سب پانی ہو گیا ہے''۔[نقش ہای رنگ رنگ: ص۲۹۴]

اس شعر کے ترجمے میں بھی، دونوں ترجمہ نگار پہلے مصرع کی تفہیم میں متفق نہیں۔ دونوں کے ہاں مصرع کی توضیح مختلف طرز احساس کی حامل ہے۔ خالد صاحب سے اس شعر کے ترجمے کے ضمن بھی میں استفسار کیا گیا تھا کہ: کون سا ترجمہ متن کے قریب تر ہے؟

(۸) سوال: غالب کے اس شعر:

از هیچ نقش غیر نکوئی نه دیده ای
ای دیده محو چهرهٔ زیبائی کیستی؟

کے پہلے مصرع کی صحیح اور درست قرأت کیسے ہوگی، یعنی:

(الف): از هیچ نقشِ غیر، نکوئی نه دیده ای

(ب): از هیچ نقش، غیرِ نکوئی نه دیده ای

درست قرأت کے تعین کے ساتھ مطلب بھی واضح کریں۔

خط نمبر ۲۸:

(۱) افتخار عارف نے اپنی ایک نظم تعارف میں حسنین کے سین کو مجزوم نظم کیا:

جوانانِ جناں کے سید و سردار حسنین

اس ضمن میں استفسار کیا گیا کہ آیا یہ جائز ہے؟

(۲) افتخار عارف نے بحر ہزج مثمن محذوف میں تین غزل کہیں، مگر ان کے کچھ مصرعے مثمن سالم میں پڑھے جاتے ہیں: قلم جب درہم و دینار میں تولے گئے تھے (کتاب دل و دنیا: ص۳۱۰) کا ایک مصرع: تمام آزاد آوازوں کے چہرے گرد ہو جائیں (مثمن سالم) ۲۔ گلی کوچوں میں ہنگامہ بپا کرنا پڑے گا (کتاب دل و دنیا: ص۳۱۴) کے دو مصرع: وہ کیا منزل جہاں سے راستے آگے نکل جائیں ۔۔اور: مبادا قصۂ اہلِ جنوں ناگفتہ رہ جائے (مثمن سالم) ۳۔ جبینوں کو بصد تسلیم خم دیکھا گیا ہے (کتاب دل و دنیا: ص۳۰۹) کا ایک مصرع: بیاضِ خواب رفتہ کیا عجب ترتیب پا جائے (مثمن سالم)۔ میں نے ان کی نشاندہی کرتے ہوئے خالد صاحب سے رہنمائی کے لیے درخواست کی تھی۔

(۳) افتخار عارف کے مصرع [پسپا ہوتے ہوئے لشکر کے سپاہی ،مرے لفظ] میں لفظ پسپا کا الف گر رہا تھا۔ میں نے اس سلسلے میں استاذ گرامی سے پوچھا کہ کیا عربی اور فارسی الفاظ کے 'الف' کو گرانا جائز ہے؟

(۴) بجّاد اور جوّاد میں کیا فرق ہے؟

(۵) بحر لکھنوی نے زحافات کی تفہیم کے لیے، جو نظم کہی ہے، اس کا ایک شعر ہے:

فاعلاتن	میں	ہو	جو	سلخ	وقوع
گریں	اس	کے	سبب	رہے	مجموع

سوال: کیا سلخ کا عمل فاعلاتن [متصل] پر ہوتا ہے، یا فاع لاتن [منفصل] پر؟

(۶) سوال: کیا بحر متدارک اور متقارب کے علاوہ دیگر بحروں کے ارکان بھی شانزدہ رکنی ہو سکتے ہیں اور کیا ایسے تصرفات عروضیوں کے ہاں جائز بھی ہیں؟

(۷) بھٹی، انگیٹھی اور بھاڑ کے معنوں میں لفظ گُلخَن ہے، یا گُلخَن؟

(۸) ایچ اور اینچ، مَقام اور مُقام، معرکہ آرا اور معرکۃ الآرا میں کیا فرق ہے؟

(۹) داؤد رہبر نے اپنی کتاب سلام و پیام [جلد دوم] میں لکھا ہے:

''ہیر رانجھا کی بحر کا ذکر باتوں باتوں میں آ گیا۔ انھوں نے پوچھا: اس کی تقطیع کیسے ہوگی۔

میں نے کہا: دو طرح ممکن ہے: اوّل: متفاعلن متفاعلن متفاعلن متفاعلن متفاعلن

دوم: متفاعل فاعل مفتعلن متفاعل فاعل مفتعلن

تقطیع دوم کے آہنگ میں موسیقیت زیادہ ہے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ یہ بحر وارث شاہ کو اردو اور فارسی شاعری سے ملی، یا یہ پنجابی الاصل ہے۔ میرا خیال تھا کہ بحر اردو اور فارسی میں کبھی مستعمل نہیں رہی۔

______'' [سلام و پیام: سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور: ۲۰۰۴ء، ص ۲۱۵۔۲۱۶]

داؤد رہبر صاحب سے وزن اور ارکان کے تعین میں تسامح ہوا ہے۔ ان کے بتائے ہوئے وزن میں سوائے مستفعلن کے بقیہ ارکان عروضی نہیں، نہ سالم اور نہ مزاحف۔ میرے خیال میں ہیر وارث شاہ بحرِ متدارک مخبون، یا مقطوع میں تقطیع ہو سکتی ہے۔

سوال: اگر ایسا نہیں ہے، تو ہیر کی بحر اور وزن سے آگاہ فرمائیں۔

(۱۰) علی عباس جلالپوری ۱۹۔ اکتوبر ۱۹۱۴ء کو جلالپور میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۱ء میں میٹرک اور ۱۹۳۳ء میں ایف اے کیا۔ ۱۹۳۵ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۴۵ء کو اسکول میں مدرس ہو گئے۔ ۱۹۵۲ میں ایم اے اردو اور ۱۹۵۸ء میں فلسفے میں ایم اے کر لیا۔ ایمرسن کالج ملتان، گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ اور سینٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں اردو کے استاد رہے۔ ۱۹۷۲ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ ۱۹۷۹ء میں جلالپور آ گئے۔ بقیہ زندگی جلالپور میں گزاری۔ ۶ دسمبر ۱۹۹۸ء کو وفات پائی اور اپنے گاؤں میں مدفون ہوئے۔ چند اہم تصانیف کے نام یہ ہیں: روحِ عصر، عام فکری مغالطے، مقاماتِ وارث شاہ، اقبال کا علم کلام، رسومِ اقوام، روایاتِ فلسفہ، کائنات اور انسان، تاریخ کا نیا موڑ، روایاتِ تمدنِ قدیم، وحدۃ الوجود تے پنجابی شاعری، مقالاتِ جلالپوری [علی عباس جلالپوری کی اقبال کا علم کلام کا تنقیدی جائزہ: سیدہ عظمیٰ گیلانی: مقالہ برائے ایم فل اقبالیات: شعبہ اقبالیات، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد: ۲۰۰۳ء]

(۱۱) مقاماتِ وارث شاہ ____ پہلی بار جون ۱۹۷۲ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔ نو ابواب پر مشتمل ہے۔ بعد ازاں اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔

(۱۲) رفیق خاور نے ہیر کے مختلف اجزاء کا اردو میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ ماہِ نو کے آٹھ شماروں [اگست ۱۹۵۳ء، مارچ ۱۹۵۴ء، مئی ۱۹۵۴ء، جون ۱۹۵۴ء، جولائی ۱۹۵۴ء، اکتوبر ۱۹۵۴ء، جنوری ۱۹۵۵ء، جون ۱۹۶۲ء] میں اشاعت آشنا ہوا، لیکن کتابی صورت میں کبھی مدون نہیں ہوا۔

(۱۳) ڈاکٹر انعام الحق جاوید [پ: ۱۹۴۹ء] مزاحیہ شاعر۔ بیسیوں کتابوں کے مصنف و مرتب ____ شعبہ پاکستانی زبانیں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے سابق سربراہ اور اب نیشنل بک فاؤنڈیشن کے ڈی جی۔

(۱۴) مدرسہ، یا دیر تھا، یا کعبہ ، یا بت خانہ تھا
ہم سبھی مہماں تھے واں تو ہی صاحب خانہ تھا

خواجہ میر درد کی غزل کے اس مطلع میں قافیے کا عیب واقع ہوا ہے۔ اس ضمن میں استفسار کیا تھا؟
نیز ایک شاعر نے نہر، شہر اور زہر کے ساتھ مہر[محبت] کا قافیہ باندھا ہے۔
سوال: اس طرح کی مثالیں لکھ کر میں نے یہ پوچھا تھا کہ ہم انھیں عیب قافیہ سے موسوم کرتے ہیں، اگر یہ واقعتاً عیوب ہیں تو ان سے اجتناب کیوں نہیں کیا جاتا؟

(۱۵) استادِ گرامی نذر صابری صاحب نے اپنی ایک نعت میں گو، دھو، دو، بو کے ساتھ گھاؤ اور رچاؤ کے قوافی باندھے ہیں۔ میں نے ان کے جواز کے ضمن میں سوال کیا تھا۔

(۱۶) بیدل کے تین اشعار بھیجے تھے کہ ان کے مطلب اور مفہوم کی وضاحت کر دیں، مگر استادِ گرامی عدم فرصت کی وجہ سے ایسا نہیں کر پائے۔

(۱۷) ارشد محمود ناشاد [پ: یکم جنوری ۱۹۷۰ء] شاعر اور محقق _____ ان دنوں کامرس کالج، اٹک میں لیکچرار ہوئے تھے۔ اب شعبۂ اردو علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں ایسوسی ایٹ پروفیسر ہیں۔ چند اہم کتابیں: مقالاتِ برق، چھاچھی بولی، یادگار احمد بخش برنگ، آغوشِ گل، اپنا گراں ہوئے [ضلع اٹک والوک ادب]، ابھی تک تم نہیں سمجھے، رنگ، اطرافِ تحقیق، تذکرۂ علماء، مقالاتِ برق، اٹک کے اہلِ قلم، اٹک کے پنجابی شاعر، اردو غزل کا تکنیکی، ہیئتی اور عروضی سفر، اشلوک [رک: تیسرا رخ (ارشد محمود ناشاد نمبر): جلد ۸، خصوصی شمارہ ۱۱: اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۷ء]

خط نمبر ۲۹:

(۱) میں نے خط میں استادِ محترم کو محترم عبدالعزیز خالد صاحب کہہ کر مخاطب کیا تھا۔

(۲) میں نے پوچھا تھا کہ چرخ، فلک اور آسمان میں معنوی اعتبار سے کیا فرق ہے؟

(۳) اردو کے ایک پروفیسر نے ٹی وی کے ایک پروگرام میں بطور میزبان آغازِ کلام میں فرمایا: خواتین [خاتین] و حضرات۔ میں نے رہنمائی کے لیے خالد صاحب کو لکھا کہ کیا خواتین میں واؤ معدولہ ہے؟

(۴) میرا سوال تھا: کیا صبحدم کا تلفظ صُبح دَم ہوگا، یا ترکیب میں آ کر ح متحرک ہو جائے گی؟

(۵) شان الحق حقی صاحب نے فرہنگِ تلفظ میں باغی کے ذیل میں لکھا ہے: "بغاوت کرنے والا،

سرکش، باغ سے متعلق یا منسوب"۔[فرہنگِ تلفظ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد: اوّل ۲۰۰۲ء، ص ۱۳۶]

سوال: باغی ____ باغ سے مشتق کیونکر ہوسکتا ہے؟

(۶) سوال: خورونوش اور خوردونوش میں کیا فرق ہے؟

(۷) دو تلفظ والے بعض الفاظ کے ضمن میں پوچھا گیا تھا۔ خالد صاحب نے ایسے الفاظ کی تفصیلی فہرست فراہم کردی۔

(۸) سوال: باہَر اور باہِر میں کیا معنوی تفاوت ہے؟

(۹) بعد طوف قیس ہوجی زاہر فرہاد بھی
دشت سے اٹھیے تو کوہوں میں مقرر جایے

[کلیاتِ میر (دیوانِ اوّل، جلد اوّل): کلب علی خان فائق:
مجلس ترقی ادب، لاہور: بار دوم ۱۹۸۶ء: ص ۵۰۹]

سوال: میر کے اس شعر میں ہوجی ____ ہوجیے، یا ہو جایئے ہے، یا کچھ اور ____
شعر کا مفہوم بھی واضح کردیں۔

(۱۰) میں نے پوچھا کہ ترکیب خوناب ہے یا خوناب اور اس کا مطلب کیا ہے؟

(۱۱) سوال ناحالی کے کسی لفظ کے حوالے سے سوال کیا تھا، اب یاد نہیں کہ لفظ کیا تھا؟ بہرحال تھا کوئی ہندی الاصل لفظ جس کی درمیانی ے ساقط ہو رہی تھی۔

(۱۲) میں نے گزارش کی تھی کہ ان الفاظ پر اعراب لگا کر تلفظ واضح کردیں: بلنسیہ، بطلیموس، قرطبہ، اندلس، ہسلرتو، ضحاک

(۱۳) سوال: لفظ کافِر ہے یا کافَر یا پھر دونوں طرح درست ہے؟

خط نمبر ۳۰:

(۱) میں نے خالد صاحب کے انتیس [۲۹] خطوط ترتیب دے کر اور ان پر حاشیہ آرائی کر کے تحقیق مجلّہ شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد میں اشاعت کے لیے بھجوائے تو اس کی ایک کاپی خالد صاحب کو بھی ارسال کردی۔ انھوں نے بعض اغلاط کی نشاندہی فرمائی۔ بعدازاں یہ خطوط تحقیق شمارہ ۱۵ [۲۰۰۷ء] میں شائع ہوئے۔

(۲) اُن دنوں ارشد محمود ناشاد کا شعبۂ اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، میں نیا نیا تقرر ہوا تھا اور وہ روز اٹک سے آ جا رہے تھے۔ خالد صاحب اُن کی اس مشقت اور پریشانی پر خاصے متفکر تھے۔

خط نمبر ۳۲:

(۱) میں نے ٹیلی فون پر خوص کے لغوی معنی پوچھے تو انھوں نے نہ صرف اس کے معانی بتائے، بلکہ اگلے روز تفصیلی گرامی نامے سے بھی سرافراز فرمایا۔

(۲) کجدار و مریز۔ عبدالعزیز خالد کی کتاب ہے، جو مئی ۲۰۰۷ء میں سرمد اکادمی اٹک کے زیرِ اہتمام اشاعت آشنا ہوئی۔ اس کتاب کے حوالے سے علامہ احسان الٰہی ظہیر نے لکھا ہے کہ:

"خالد صاحب کے بارے میں پرانی ادبی شناسائی اور آشنائی کے حوالہ سے اتنی واقفیت تو تھی کہ وہ بے پناہ اور بے محابا شاعر ہیں اور یہ بھی کہ ہفت زبان اور دہ لغات ہیں، لیکن اس مقالہ [کجدار و مریز] کو دیکھ کر علم ہوا کہ زبان عربی پر انھیں اس قدر مضبوط گرفت اور قرآن و حدیث سے اس قدر گہری واقفیت ہے۔ انھوں نے دو عظیم مشرقی شعرا رومی اور اقبال کے کلام پر قرآن و حدیث اور عربی لغات کے تناظر اور حوالہ سے جو محاکمہ کیا ہے، وہ کلامِ ربّ و نبیؐ اور کلامِ عرب سے گہرے تعلق کا غماز ہے اور مجھے یہ دیکھ کر خوش گوار حیرت ہوئی کہ ہمارے ہاں ابھی تک ایسے ادیب اور شاعر موجود ہیں، جو صرف لب و لہجہ اور پُرگوئی کے لحاظ سے ہی عرب شعراء کے مثل نہیں، بلکہ عربی زبان اور اس کے قواعد پر گہرے عبور کی بنا پر ان کے ہم پایہ اور ہم پلہ کہلانے کا حق رکھتے ہیں اس بنا پر اور خوشی ہوئی کہ اس پورے مقالہ یا مضمون میں زبان و بیان انتہائی مؤدب اور انداز اور اسلوب انتہائی باوقار ہے"۔ [کجدار و مریز کے سرورق پر رائے]

حواشی خط نمبر ۳۳:

(۱) ہمارے ہاں نجد کا لفظ منفی معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ میں نے پوچھا تھا کہ: اس تناظر میں یارانِ نجد کا کیا مطلب ہے؟

(۲) میرا سوال تھا کہ معروف شاعرہ امرتا پریتم [۳۱۔ اکتوبر ۲۰۰۵ء] کے نام کے ابتدائی حصے

(امرتا) کا تلفظ امرِ تا ہے، یا امر تا؟

(۳) ماہ نامہ روزن انٹرنیشنل، گجرات نے اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۶ء کا شمارہ امرتا پریتم نمبر کی صورت میں شائع کیا۔ اس میں پنجابی زبان و ادب کے تمام اہم ادباء اور شعراء نے پنجابی، اردو اور انگریزی میں امرتا پریتم کو خراج تحسین پیش کیا۔ بعض انگریزی مضامین میں امرتا کی شاعری کے منتخب حصوں کے انگریزی تراجم بھی کیے گئے۔ امرتا کی شہرہ آفاق نظم: آکھاں وارث شاہ نوں کے ایک مصرع:

اک روئی سی دھی پنجاب دی توں لکھ لکھ مارے وین

کے ایک لفظ لکھ لکھ کو دو طرح سے ترجمہ کیا گیا:

"Once, a daughter of Punjab cried and you wrote a wailing saga."

[Obituary: Amrita Pritam- a symbol of courage in the face of suffering by Ishtiaq Ahmad. PP37]

"A daughter of Punjab

Had wept once and

You sang a thousand dirges".

[Prayer for the daughter of Waris by Nirupama Dutt. PP17]

ایک مترجم نے لکھ لکھ کو لکھنا (to write) کے معنوں میں لیا، جبکہ دوسرے کے ہاں لکھ لکھ کا لفظ (hundred thousands) کے معنوں میں آیا۔ میں اس مصرع کو اوّل الذکر صورت میں پڑھتا آیا تھا۔ اس کی نئی قرأت (Readings) مجھے عجیب سے لگی تو میں نے استاذِ گرامی سے رہنمائی کے لیے درخواست کی کہ ان کے نزدیک اس لفظ کی درست قرأت کیا ہے؟

(۴) دل دریا سمندروں ڈونگھے [کلامِ سلطان باہو مع اردو ترجمہ] کے مترجمین نے سلطان باہو کے اس مصرع: بغداد شہر دی کیا نشانی، اُچیاں لمیاں چیراں ـــــ کا ترجمہ یوں کیا ہے:

''مجھ سے بغداد شہر کے متعلق کیا پوچھتے ہو؟ اُسے دیکھنے کی آرزو میں دل زخموں سے چُور

ہو چکا ہے: اس شہر کو دیکھنے کی حسرت میں مرا ظاہر باطن پرزے پرزے ہو چکا ہے"۔
[دل دریا سمندروں ڈونگھے : رومیل ہاؤس آف پبلی کیشنز،
راولپنڈی: جون ۲۰۰۶ء، ص۵۰۔۵۱]

مترجمین نے مشکل الفاظ کے معانی میں لفظ چیراں کا معنی زخم لکھا ہے۔
مجھے چیراں کی اس معنویت پر اطمینان نہیں تھا۔ اس لیے خالد صاحب سے رہنمائی کی درخواست کی گئی۔
(۴) ناشاد صاحب کے مقالے بعنوان: علم عروض۔ تفہیم و تجزیہ کی طرف اشارہ ہے، جو الاقرباء شمارہ جنوری تا مارچ ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا۔

خط نمبر ۳۴:

(۱) خواجہ حسن نظامی رقمطراز ہیں: "آپ نے میرے سفارشی مکتوب پر جتنی زیادہ توجہ کی، اس کا حال مجھ سے کہا گیا، تو میرے دل پر اس کا بہت اثر ہوا۔ میں نے آج آپ کو ماموں لکھا ہے، اس لیے کہ آپ حضرت بابا صاحب کی اولاد ہیں اور میں آل ہوں"۔ [خط بنام مولوی وحید احمد فریدی بدایونی: نقوش (مکاتیب نمبر جلد اوّل) شمارہ ۶۵۔۶۶: نومبر ۱۹۵۷ء، ص۵۲۴]
(۲) خواجہ حسن نظامی [م ۱۹۵۶ء] صاحب طرز انشا پرداز اور مصور فطرت۔ پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف [م ۱۹۳۷ء] کے مرید و خلیفہ اور درگاہ نظام الدین اولیاء کے سجادہ نشین۔ کتب کثیرہ کے مرتب و مصنف
(۳) ۱۵۔ مئی ۲۰۰۸ء کا گرامی نامہ مجھے دیر سے ملا تو میں نے گزارش کی کہ میرے کچھ سوالات کا جواب آپ کے ذمے واجب الادا ہے۔ انھوں نے ۲۸۔ مئی ۲۰۰۸ء کے خط میں دوبارہ اُن سوالات کے جوابات مرحمت فرمائے۔ اسی دوران میں پہلا گرامی نامہ بھی مل گیا۔

خط نمبر ۳۵:

(۱) میں نے خالد صاحب کو لکھا تھا کہ: ہم اپنی تحریر اور تقریر میں آل اولاد ایک ساتھ بھی لکھتے اور بولتے ہیں اور یکساں معنوں میں علیحدہ علیحدہ بھی۔ ____ خواجہ صاحب نے اولاد سے الگ معنوں میں آل کا لفظ برتا ہے۔ اگر اس خط کے تناظر میں تاریخی پس منظر کو پیش نظر رکھا جائے تو

اولاد کے معنی صلبی اولاد اور آل سے مراد بیٹی کی اولاد لیے جاسکتے ہیں، کیونکہ مکتوب الیہ وحید احمد، بابا فرید الدین گنج شکر غریب نواز کی اولاد سے تھے اور خواجہ حسن نظامی کا نسبی تعلق بابا صاحب کی بیٹی کی اولاد سے ہے۔

سوال: ان لفظوں کی معنویت میں اگر کوئی نکتہ ہے، تو اس کی وضاحت کر دیں۔

(۲) سورہ ہود: ۴۶

خط نمبر ۳۶:

(۱) سوال: سبا کسی قوم کا نام ہے، یا علاقے کا، یا پھر اس سے دونوں مراد لیے جاتے ہیں؟

خط نمبر ۳۷:

(۱) ہندوستان کے سلطان شمس الدین کا نام کا تاریخ کی کتابوں میں چار طرح [التمش، التتمش، ایلتمش، ایلتتمش] لکھا ہوا ملتا ہے۔ ان میں سے کون سا درست ہے؟ یہ کس زبان کا لفظ ہے اور اس کا مطلب کیا ہے؟ ناصر صاحب نے التمش کو درست قرار دیا، اسے ترکی الاصل بتایا اور اس کے معانی بھی لکھے۔ جبکہ معروف تاریخ دان پروفیسر خلیق احمد نظامی [م ۱۹۹۷ء] نے اپنی کتاب سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات میں اس نام پر حاشیہ لکھا ہے۔ اس مقام پر اس کا نقل کرنا یقیناً بے محل نہ ہوگا:

''یہ لفظ التمش نہیں، ایلتتمش ہے، جیسا کہ منہاج کے اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے:

آں شہنشاہی کہ حاتم بذل و رستم کوشش است
ناصر الدنیا و دیں محمود بن ایلتتمش است

(طبقات ناصری: ص ۲۰۲)

ترکی زبان میں ایلتتمش کے معنی ہیں: حکومت قائم کرنے والا، یا جہانگیر (ملاحظہ ہو تاریخ جہاں کشا جلد دوم، ص ۱۶۱)، نیز Z.D.M.G:1907:P192 یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ایلتتمش اس کا خاندانی نام تھا، یا تخت پر بیٹھنے کے بعد اس نے اختیار کیا''۔ [سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات: نگارشات، لاہور: ۱۹۹۰ء، ص ۱۰۰]

(۲) ماخذ اور مآخذ میں کیا فرق ہے؟

(۳) کیا دختِ افراسیاب تلمیح ہے؟ اس کا پس منظر کیا ہے؟

(۴) علیحدہ، علٰحدہ اور علاحدہ کے تین املا مروج ہیں۔ ان میں سے کون سا درست ہے؟

خط نمبر ۳۹:

(۱) غزل ہے شرط سے میں نے ساقی فاروقی کی یہ غزل [دو رخی طاقتوں نے جنگ لڑی تھی: ص ۱۵۴] انھیں بھجوائی اور ان سے استفسار کیا کہ کیا یہ وزن میں ہے؟

(۲) ساقی صاحب نے اپنی ایک غزل [قافیہ: تنگ وغیرہ۔ ردیف: آ گئے: ص ۹۳] احمد ندیم قاسمی [م ۲۰۰۶ء] کو بھجوائی۔ قاسمی صاحب نے اسے خارج از آہنگ کہا۔ اس پر ساقی صاحب کا اصرار تھا کہ یہ وزن میں ہے۔ یہ بحث ان کے مابین ذاتی خطوط میں چلتی رہی۔ مشفق خواجہ [م ۲۰۰۶ء] بھی اس بحث میں شریک ہوئے۔ بعد ازاں اس سلسلے کی تمام خط کتابت معاصر، لاہور: شمارہ ۵: ۱۹۹۶ء میں شائع ہوئی۔

(۳) ساقی صاحب نے اپنی ایک غزل میں خدازاد کی ترکیب استعمال کی ہے۔ [خدا پہ ناز خدا زاد کیوں نہیں کرتے: غزل ہے شرط: ص ۹۷] میں نے پوچھا تھا کہ کیا یہ درست ہے؟

(۴) الرحمٰن: ۵۵: ۱۔۳

خط نمبر ۴۰:

(۱) میں ایک متصوفانہ مضمون کا ترجمہ کر رہا تھا۔ خاک نشین کے لیے کسی مناسب انگریزی مترادف کی تلاش تھی۔ لغات میں Humble اور اس کے جو مترادفات نظر آئے، میں ان سے مطمئن نہ تھا۔ خاک نشین کی فکری اور تہذیبی معنویت کو Humble اور Humibity جیسے الفاظ اپنے اندر سمونے سے قاصر ہیں۔ میں نے خالد صاحب کو فون کیا کہ کوئی ایسا لفظ یا ترکیب بتائیں، جو خاک نشیں کی تہذیبی معنویت کو اُجاگر کر سکے۔ انھوں نے اس گراں قدر خط سے نوازا۔

خط نمبر ۴۱:

(۱) میں نے انھیں اپنے عریضے میں لکھا تھا:

"بیدل کا ایک شعر ہے:

بیدل چنانکہ سایہ بہ خورشید می رسد

میـــں نیــز رفتــہ رفتــہ بـــہ دلــدار مـــی رســم

میرے خیال میں بیدل کا کہنا یہ ہے کہ: جس طرح سایہ خورشید تک پہنچتا ہے، اُسی طرح میں بھی اپنے محبوب تک رسائی حاصل کر لیتا ہوں۔ اگر میں نے شعر کا مفہوم درست متعین کیا ہے، تو پھر اس شعر کے تناظر میں معنوی اشکال وارد ہو رہا ہے۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ سایہ ____ خورشید کے مخالف سمت میں سفر کرتا ہے۔ مخالف سمت میں دونوں کا سفر کیونکر یکجائی کا پیش خیمہ بن سکتا ہے؟ اس تضاد کی تفہیم کے لیے روشنی کی ضرورت ہے"۔

خط نمبر۴۲:

(۱) میں نے پوچھا تھا کہ: عدلِ فاروقی اور عہدِ فاروقی وغیرہ جیسی تراکیب میں لفظ فاروقی پر رضی اللہ عنہ کی علامت ؓ لکھی جانی چاہیے، یا نہیں۔

خط نمبر۴۳:

(۱) میرا سوال تھا کہ: محبوب کی آنکھ کو چشمِ بیمار کیوں کہا جاتا ہے؟

(۲) میں نے پوچھا تھا کہ: حُبہ اور حِبہ میں کیا فرق ہے؟

(۳) سوال: معنوی اعتبار سے صَدقہ اور صُدقہ میں کیا فرق ہے؟ استادِ گرامی نے ہر دو لفظوں کی معنویت کو خوبصورت انداز میں منکشف کیا، لیکن ان الفاظ کی معنویت میں جو ایک روحانی واردات پوشیدہ ہے، اس کے معنوی ابعاد پر حضرت نظام الدین اولیاء نے اپنی ایک مجلس میں اظہار خیال فرمایا تھا۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

"بعد ازاں فرمود صَدقه است و صُدقه است۔صَدقه خود معلوم است اما صُدقه کاوین است و این ہر دو معنی از صدقِ محبت اقتضا می کند، یعنی آنکه زنی می خواہد گوئی او را ہر آئینه صدقِ محبتی پیدا باید کرد۔پس او کاوین درمیان آرد آن صُدقه است و آنکه چیزی در راه حق می دہد ہر آئینه بمحبتِ آن حضرت می دہجه سبب صدق محبت نام آن نیز صدقه است"۔ [فوائد الفواد: ص۳۰۶]

(۴) وِلایت اور وَلایت میں تفریق کی معنوی صورتیں کیا ہو سکتی ہیں؟

(۵) فوائد الفواد کی ایک مجلس میں حضور نظام الدین اولیا نے فرمایا:

"سخن در وِلایت وَلایت افتاد۔ می فرمودند که شیخ را هم وَلایت باشد و هم وِلایت۔ وَلایت آنست چون تائب شود و طاعت کند هر آئینه از طاعت هاذوق گیرد ممکن آنست که مریدان را بخدا رساند و آدابِ طریقت تعلیم فرماید و آنچه میانِ او و میانِ خلق است، آن را وَلایت گویند۔ امّا آنچه میانِ او و میانِ حق است آن وَلایت است و آن خاص محبت است وچون شیخ از دُنیا نقل کند، وِلایت با خود ببرد۔ امّا وَلایت بکسی تسلیم کند، بدهد آن کس را که او خواهد واگراو ندهد، روا باشد که حق عزّوجل آن وَلایتِ او بدیگری دهد۔ امّا وِلایت کو همراه باشد آن را با خود ببرد۔

درین باب حکایتی فرمودکه بزرگی مریدی را بخدمتِ بزرگی فرستاد و استطلاع کرد که شب را بربساط عالم چه گذشت؟ او جواب فرستادکه شب را شیخ ابو سعید ابوالخیر قدس الله سره العزیز در مسجدِ مهینه نقل کرد۔ باز آن بزرگ کس فرستاد و پُرسید که ولایتِ او به که دادند؟ اوجواب گفت که آن را خبرندارم۔ آنچه معلوم شده بود اعلام دادم۔ بعدازان ایشان را معلوم شدکه ولایتِ اوبه شمس العارفین دادند علیه الرحمةوالغفران۔ هم در شب بردرِ شمس العارفین آمدند۔ شمس العارفین ایشان راکه پیش ازانکه سخنی گویند، گفت خدای تعالیٰ راچندان شمس العارفین اند، تا به کدام شمس العارفین داده اند؟"

[فوائد الفواد، ص ۲۲۹۔۲۳۰]

(۶) ڈاکٹر جاوید اقبال سندھ یونیورسٹی، جامشورو، حیدرآباد میں شعبۂ اردو کے سربراہ اور فیکلٹی کے ڈین ہیں۔ ڈاکٹر نجم الاسلام کی رحلت کے بعد تحقیق کی ادارت کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں۔

(۷) عبدالعزیز خالد کے مطبوعہ خطوط کے حوالے سے رفیق احمد نقش [م ۲۰۱۳ء] نے میرے نام ایک بھرپور علمی خط لکھا۔ مندرجات کی علمی اور ادبی ثقاہت کے پیشِ نظر اسے یہاں نقل

کیا جاتا ہے:

''رفیق احمد نقش

این ۱۷/۸، اے، نارتھ ناظم آباد، کراچی (۷۴۷۰۰)

۱۷۔ دسمبر ۲۰۰۸ء

محترم ساحر صاحب!

آداب۔ میں نے علامہ عبدالعزیز خالد کی تحریروں سے ہمیشہ استفادہ کیا ہے۔ آپ کی عنایت سے تحقیق شمارہ ۔۱۵ میں آپ کے نام ان کے خطوط نظر نواز ہوئے۔ ان خطوط اور ان کے نہایت محنت سے مرتب کیے ہوئے حواشی سے مستفید ہوا۔ زیر نظر خطوط سے متعلق چند معروضات پیشِ خدمت ہیں۔ اُمید ہے کہ ان طالب علمانہ معروضات پر غور فرما کر راہنمائی فرمائیں گے۔

یہ بات عجیب سی لگی کہ خالد صاحب نے لغات کو ڈکشنری کے مترادف کے طور پر استعمال کرتے ہوئے اس کی جمع لغاتیں (ص ۵۱۵) اور مغیرہ صورت میں لغاتوں (ص ۵۱۳) لکھی ہے۔ عام طور پر ڈکشنری کے مترادف کے طور پر لغت کا استعمال ہوتا ہے۔

خط نمبر ۱۱: غالب کے پہلے شعر کے پہلے مصرعے میں غالباً کمپوزنگ کی غلطی سے تا کا لفظ رہ گیا ہے:

دیدہ ور آں کہ تا نہد دل بہ شمارِ دلبری

دوسرے شعر کے دوسرے مصرعے میں سہو یادداشت سے رگِ صحرا اور کمپوزنگ کی غلطی سے بیند چھپا ہے، اصل مصرع یوں ہے:

جادہ چوں نبضِ تپاں در تنِ صحرا بینند

[قصیدہ در مدحِ بہادر شاہ ظفر : کلیاتِ غالب فارسی ۔ جلد دوم مرتبہ سید مرتضٰی حسین فاضل لکھنوی مجلسِ ترقی ادب، لاہور، طبع اول: جون ۱۹۶۷ء، ص ۲۴۲۔

خط نمبر ۱۶: خالد صاحب لکھتے ہیں: ''عام مستعمل ترکیب تو روحِ رواں ہی ہے، مگر روح و رواں بھی صحیح ہے''۔ گویا خالد صاحب کے نزدیک مرجح صورت روحِ رواں ہے۔ یہ بات باعثِ حیرت ہے۔ آپ نے ڈاکٹر غلام مصطفٰی خان کے حوالے

سے اُن کے استاد اور تلمیذِ داغ مولانا احسن مارہروی کا اقتباس برمحل درج کیا ہے،
جس سے واضح ہوتا ہے کہ روحِ رواں یک سر غلط ہے اور درست ترکیب روح و
رواں ہے۔ آپ کے علم میں ہوگا کہ فارسی میں روان کے معنی ہیں: نفس اور نفسیات کو
روان شناسی کہا جاتا ہے۔
غالب نے روحِ رواں کی ترکیب کہاں استعمال کی ہے؟
قرار واقعی کو میں بھی بلا اضافت ہی لکھتا پڑھتا رہا ہوں۔ رموزِ غالب (ص ۳۳)
میں 'قرارِ واقعی' کا چھپنا میری نظر کی چوک ہے۔
خط نمبر ۱۷: یگانہ کے مصرعے میں چیز کی جگہ بات ہے:
کہیے، کیا بات دھیان میں آئی [کلیاتِ یگانہ مرتبہ مشفق خواجہ :اکادمی بازیافت،
پہلی اشاعت: ۲۰۰۳ء، ص ۵۰۲]
خط نمبر ۲۲: خالد صاحب نے کسَر کو بروزن فعَل بتایا ہے اور اس سلسلے میں
وجاہت، داغ اور عزیز کے اشعار بطور سند لکھے ہیں۔ داغ کے شعر میں 'تو' کی جگہ 'لو'
چھپ گیا ہے۔ اصل مصرع یوں ہے: اتنی ہی تو بس کسَر ہے تم میں
[مہتابِ داغ مرتبہ کلب علی خاں فائق رامپوری :مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور:
اشاعتِ دوم: فروری ۲۰۰۸ء، ص ۱۱۱]

خالد صاحب یہ بتانا بھول گئے کہ کسر بروزن فعل بھی ہے:

میں پیمبر نہیں، یگانہ سہی
اس سے کیا کسر شان میں آئی

[کلیاتِ یگانہ مرتبہ مشفق خواجہ :اکادمی بازیافت، کراچی:
پہلی اشاعت: جنوری ۲۰۰۳ء، ص ۵۰۳]

بات دراصل یہ ہے کہ کسر عربی لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں: توڑنا، توڑ پھوڑ،
شکستگی۔ اس سے اردو والوں نے لفظ کسَر بنالیا، جس کے معنی ہیں: نقص، خرابی، کمی،
کوتاہی۔ کبھی انھی معنوں میں کسر بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے یگانہ کے شعر میں۔
میر نے اپنے ایک شعر میں مذکورہ مختلف معانی ملحوظ رکھتے ہوئے کسر اور کسَر
دونوں تلفظ اس طرح باندھے ہیں:

مجھ حال شکستہ کی تا چند یہ بے وقری
کچھ کسر میں اب میری اے شوخ کسر بھی ہے!

[کلیاتِ میر (جلد اول)، مرتبہ ظل عباس عباسی: صحیح و اضافہ احمد محفوظ: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی: دوسرا تصحیح و اضافہ شدہ ایڈیشن، ۲۰۰۳ء، ص ۵۶۸]

تراکیب میں یہ لفظ کسر ہمیشہ بروزنِ فعل ہی آتا ہے: کسرِ شان، کسرِ نفسی۔ 'کسر' کے سلسلے میں مہذب اللغات (جلد نہم) از مہذب لکھنوی میں یہ صراحت ملتی ہے:
کسر (بفتحتین) (عربی کسر سے بفتحتین بنا لیا ہے) کی نقص، اردو، غیر فصیح، رائج۔
مے اور مئے کا فرق ظاہر کرتے ہوئے خالد صاحب نے لکھا ہے:
اگر موصوف ہو تو مئے = م ء ے: فعَل
اس میں یہ اضافہ ضروری ہے کہ اگر مضاف ہو تو بھی مئے = م ء ے بروزنِ فعَل:

معمور مئے حق سے ہے جامِ حالی

[ابتدائی کلامِ اقبال، بہ ترتیب مہ و سال مرتبہ ڈاکٹر گیان چند اقبال اکادمی، لاہور: طبع اول: ۲۰۰۴ء، ص ۲۴۷]

خالد صاحب کا حفیظ جالندھری کے اس شعر کو لغزشِ قلم قرار دینا باعثِ تعجب ہے:

بتوں کی شوخیِ نقشِ کفِ پا کا میں قائل تھا
مگر سجدہ نہ کرنا میرے سر کی لغزشِ پا تھی

اس شعر میں سر کو ایک فرد سے استعارہ کیا گیا ہے اور فرد لغزشِ پا کا شکار ہو سکتا ہے۔

خط نمبر ۲۶: ''رشید حسن خاں صاحب کا مُوقف میرے سامنے نہیں۔ معلوم نہیں، انھوں نے اس کانٹ چھانٹ کا کیا جواز پیش کیا ہے؟''

یہاں یقیناً، یا تو کمپوزنگ کی غلطی ہے، یا سہوِ قلم۔ لفظ مُوقف نہیں، موقِف ہے:

نہ کبھی موقفوں سے ہٹتے ہیں (انور شعور)

قافیے کی وجہ سے 'موقِف' کو 'موقَف' بھی باندھا گیا ہے (جیسے غالب نے اپنی غزل:

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں

میں 'کافِر' کو 'کافَر' باندھا ہے:
آخر گناہ گار ہوں، کافر نہیں ہوں میں)۔

واسطے سب کے معیّن ہے محل و موقف

در کے نزدیک فرشتے ہیں بچھائے ہوئے صف

خالد صاحب کی منقولہ عبارت میں 'کانٹ چھانٹ' کو 'کاٹ چھانٹ'' ہونا چاہیے ــــ ('کانٹ چھانٹ' ص ۵۴۰ کے علاوہ ص ۵۴۳ پر بھی آیا ہے۔)

خط نمبر ۲۷:

از ہیچ نقش غیر نکوئی ندیدہ ای

ای دیدہ، محو جلوۂ زیبای کیستی

اس شعر کا مفہوم خالد صاحب نے غالباً رواروی میں لکھا ہے۔ میرے خیال میں اس کا مطلب ہے:

اے آنکھ! تُو کس کے جلوۂ زیبا میں محو ہے، جس میں تُو نے کوئی نقش اچھائی / خوبی / جاذبیت کے سوا نہیں دیکھا، یعنی اُس کا ہر نقش جاذبِ نظر ہے۔

خط نمبر ۲۹: 'صبح' کے تلفظ کی بحث میں تین تراکیب لکھی ہیں: ''صبحِ صادق، صبحِ عید، صبحِ خیز''۔

آخری ترکیب میں یقیناً کمپوزنگ کی غلطی سے اضافت در آئی ہے۔ ظاہر ہے، یہ 'صبح خیز' ہے، جس کے معنی ہیں: صبح (سویرے) اٹھنے والا۔

'خوردونوش' اور 'خوردونوش' کے سلسلے میں خالد صاحب لکھتے ہیں:

فرق تو کوئی نہیں، البتہ کچھ لوگ 'خورد' پر 'خور' کو ترجیح دیتے ہیں۔

عرض ہے کہ فارسی کا ایک مصدر ہے: خوردن (کھانا)۔ مصدر کا آخری ن گرا کے صیغۂ واحد غائب کا ماضی مطلق حاصل ہوتا ہے، یوں خورد کا مطلب ہوا: (اُس نے) کھایا؛ جب کہ خور کا مطلب ہے: تھوڑا سا کھانا، تھوڑی سی خوراک۔ خور ہمیشہ مرکبات میں استعمال ہوتا ہے: خوروپوش، خوروخواب، خوروزاد، خورونوش:

مرے معشوق وہ ہیں، جن کو برائے خوروپوش

چلنے آیا کیے، فردوس کا میوہ نوتا (رشک)

سامانِ خور و خواب کہاں سے لاؤں؟

آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں؟ (غالب)

خور و زاد سے جس کا خالی ہے داماں

مرے عزیزو، مناجات ہو چکی، اٹھو (عبدالعزیز خالد)

خورد و نوش بے معنی ہے۔ اردو میں کچھ لوگوں نے خورد و نوش بھی استعمال کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ اگر اردو میں دو صورتیں رائج ہوں اور اُن میں مفہوم کے لحاظ سے کوئی فرق نہ ہو تو درست صورت ہی کو استعمال کرنا چاہیے۔

آپ نے خالد صاحب سے میر کے شعر کا مفہوم پوچھا ہے اور معلوم کیا ہے کہ شعر میں ہوجی، ہوجیے یا ہوجایئے ہے، یا کچھ اور:

بعد طوف قیس ہوجی زائر فرہاد بھی

دشت سے اٹھیے تو کوہوں میں مقرر جایئے

میر کے شعر میں ہوجی نہیں، بلکہ ہوجے ہے، جو ہوجیے (یعنی ہوجایئے) کی مخفف صورت ہے، جیسے کیجے کی مخفف صورت ہے، جیسے کیجیے کی مخفف صورت کیجے ہے۔ کلب علی خاں فائق نے ہوجے کی جگہ ہوجی لکھ کے غلط قرأت کی مثال قائم کی ہے۔ بات یہ ہے کہ اردو میں پہلے ی اور ے ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے تھے اور عبارت کے سیاق سے اندازہ لگایا جاتا تھا کہ متعلقہ جگہ معروف آواز ہے، یا مجہول۔ میر کا مصرع یوں ہے:

بعد طوف قیس ہوجے زائر فرہاد بھی

شعر کا مفہوم یہ ہے کہ دشت میں قیس سے مل لیے، اُن کا طواف کرلیا تو اب لازم ہے کہ پہاڑوں کی طرف چلیں، تاکہ فرہاد کی بھی زیارت ہوسکے۔

ضمناً یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ جایے [جا+یے] کوئی لفظ نہیں۔ (ان خطوط میں بالالتزام ہر جگہ جایئے کو جایے لکھا گیا ہے۔) اصل لفظ ہے جایئے [جا+ اِ+ یے]۔

'خوناب' اور 'خون ناب' کے معنوں میں فرق ہے۔ 'خوناب' اصل میں 'آبِ خون' سے ترکیب مقلوب ہوکر 'خون آب' اور پھر ضم ہوکر 'خوناب' بنا، جس کا مطلب ہے: خون کا پانی، خوں آلود پانی۔ اِسے خوںناب لکھنا غلط ہے۔ (جیسے 'آبِ پیش' (سامنے کا پانی) سے 'پیش آب' = 'پیشاب' کا لفظ بنا ہے۔)

خون ناب کے معنی ہیں: خالص خون، جیسا کہ خالد صاحب نے لکھا ہے۔

خالد صاحب کے خطوط پر نظرِ ثانی سے چند نکات اور ذہن میں آئے، جو پیشِ خدمت ہیں:

خط نمبر ۶: آپ نے 'منھ' اور 'منہ' کے املا سے متعلق استفسار کیا تھا اور یہ بھی پوچھا تھا کہ 'منہ' کی ہائے ملفوظی کے نیچے شکن (٫) لگانی چاہیے، یا نہیں۔ خالد صاحب نے جواب میں لکھا ہے:

''منہ کی 'ہ' کے نیچے'، آج کل کون لگاتا ہے؟ نصابی کتابیں اٹھا کر دیکھیں۔

ہم نے زبان اور تلفظ کا کیا ستیاناس کر دیا ہے، اعراب کا کہیں وجود ہی نہیں''۔

اس سے زیرِ غور لفظ کے املا سے متعلق خالد صاحب کا نقطۂ نظر واضح نہیں ہوتا۔ میں اپنا نقطۂ نظر عرض کرتا ہوں۔ 'ھ' کا استعمال اردو میں ہائیہ آوازوں کے لیے مخصوص ہو گیا ہے۔ آج کل اردو میں ایسی پندرہ آوازیں رائج ہیں:

بھ پھ تھ ٹھ جھ چھ دھ ڈھ رھ ڑھ کھ گھ لھ مھ نھ

دو آوازیں اردو میں پہلے تھیں، اب متروک ہو چکی ہیں: وھ یھ

غنہ (ں) کوئی باقاعدہ آواز نہیں، بل کہ کسی آواز کو ناک سے ادا کرنے کا نام ہے، اس لیے غنہ کے ساتھ 'ھ' کا استعمال نہیں ہو سکتا۔ 'نھ' میں باقاعدہ 'ن' کی آواز میں سانس کی آواز ملا کر استعمال کرتے ہیں۔ [انھیں، انھوں، جنھیں، جنھوں]۔

'منہ' کے آخر میں ہائے ملفوظی ہے، جیسا کہ آپ نے لکھا ہے اور ہائے ملفوظی کسی لفظ کے آخر میں ملا کر لکھی جائے، تو ہائے مختفی سے ممیز کرنے کے لیے اس کے نیچے شکن لگانا مستحسن ہے۔ اگر کوئی نہیں لگاتا، تو اس مسئلے کی علمی حیثیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ 'منھ' کو اگر درست مانا جائے، تو 'منہا منہ' (لبالب) کو 'منھا منھ' [مُ + نھا + منھ] لکھنا پڑے گا، جو ظاہر ہے کہ غلط ہے۔

'دباؤ' اور 'دباو' ______ ان دونوں لفظوں میں تلفظ کے ساتھ معنوں کا بھی فرق ہے۔ 'دباؤ' میں دو ارکان تہجی ہیں: دَ + باو۔

مجھ پر آج کل کام کا بہت دباؤ ہے۔

جب کہ 'دباؤ' میں تین ارکان تہجی ہیں: دَ + با + او۔

آؤ، ذرا میری ٹانگیں دباؤ۔

اسی طرح 'بہاؤ' اور 'بہاؤ' میں بھی فرق ہے۔ بہاو [بَ + ہاو]۔

دریا کا بہاؤ تیز ہے۔

بہاؤ [ب+ہا+او]۔ یہ پانی کیاری میں بہاؤ اور واپس آ جاؤ۔

خط نمبر ۴۸: 'جھونا'، 'دھونا'، 'بونا' کے ساتھ 'کھاؤ' اور 'چاؤ' کے قوافی، صوتی اعتبار سے تو کیا، کسی صورت جائز نہیں۔ یہ الفاظ دراصل 'کھاؤ' اور 'چاؤ' [بروزن فاع] ہیں، 'کھاؤ' (کھا+ او) اور 'چاؤ' (چا+او) [بروزن فاعل] ہیں۔

درج بالا معروضات کے ذریعے میں اپنی غلطیوں / غلط فہمیوں سے آگاہ ہونا چاہتا ہوں۔ کیا آپ ازراہ کرم زحمت فرما کر ان معروضات کی تردید، یا تصدیق کر دیں گے؟

جوش کا شعر ہمیشہ پیش نظر رہتا ہے:

میری غلطی مجھ کو جتانے والے
اللہ ہر آفت سے بچائے تجھ کو

جواب کا منتظر

رفیق احمد نقش

پس نوشت: ازراہ لطف محترم عبدالعزیز خالد کا موجودہ پتا لکھ دیجیے"۔

خط نمبر ۴۴:

(۱) اکادمی ادبیات پاکستان نے 'پاکستانی ادب کے معمار سیریز' کے سلسلے میں ڈاکٹر جمیل جالبی اور افتخار عارف کے فن اور شخصیت پر دو کتابیں مجھ سے لکھوائیں۔ میں نے یہ کتابیں خالد صاحب کو بھجوائیں۔ انھوں نے ازرہ بندہ پروری حسب معمول کلمات تحسین سے نوازا۔

(۲) عزیزی شازیہ صدیقی نے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کے شعبۂ عربی زبان و ادب سے عربی میں ایم ایس کیا۔ انھوں نے اثر اللغۃ العربیہ والثقافۃ الاسلامیہ فی شعر عبدالعزیز خالد کے عنوان سے مقالہ لکھا۔ لوازمے کی فراہمی اور خالد صاحب کی شاعری کے بعض نکات کی تفہیم و تعبیر کے ضمن میں، ان کا مجھ سے بھی مکالمہ رہا۔ مقالے کی کامیاب تکمیل کے بعد، انھوں نے اپنے مقالے کی ایک کاپی مجھے فراہم کی۔ میں نے کہا کہ: اپنی علمی کم مائیگی اور عربی سے ناآشنائی کے سبب، میں یہ مقالہ اپنے پاس رکھنے کا استحقاق نہیں رکھتا۔ یہ میں خالد صاحب کو

بجھوادوں گا۔ وہ عزیزہ اپنے اس طالب علمانہ مقالے کو خالد صاحب کی علمی جلالت اور ادبی وجاہت کے پیش نظر، انھیں بجھوانے کے حق میں نہ تھیں، لیکن میں نے یہ مقالہ ان کے ممدوح کو بجھوادیا۔ خالد صاحب نے مقالہ نگار کی عربی دانی اور اس کی برجستگی تحریر کی تحسین فرمائی، جو یقیناً ایک اعزاز ہے۔

(۳) پروفیسر حبیب الرحمن عاصم بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد میں عربی زبان و ادب کے استاد اور نہایت عالم وفاضل شخصیت

کتابیات

کتب:

قرآنِ مجید
السنن الکبریٰ ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب بن علی الخرسانی النسائی

اردو املا: رشید حسن خاں: فکشن ہاؤس، لاہور: ۱۹۹۴ء
اردو املا اور رسم الخط۔ اصول و مسائل: ڈاکٹر فرمان فتح پوری: الوقار پبلی کیشنز، لاہور: ۲۰۰۴ء
بالِ جبریل: علامہ محمد اقبال: شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور: طبع بستم جنوری ۱۹۷۵ء
بانگِ درا: علامہ محمد اقبال: شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور: طبع سی و سوم مئی ۱۹۷۶ء
تحقیق کی روشنی میں: ڈاکٹر عندلیب شادانی: شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور: باراول ۱۹۶۳ء
جاوید نامہ: علامہ محمد اقبال: اقبال اکادمی پاکستان، لاہور: باراول ۱۹۸۲ء
چراغِ سحر: حفیظ جالندھری: دفتر شاہنامۂ اسلام، کتب خانہ حفیظ، لاہور: س ن
چراغِ سخن: یگانہ چنگیزی/ احمد رضا [مرتب]: مجلس ترقی ادب، لاہور: باراول جون ۱۹۹۶ء
خطوطِ مشفق: ڈاکٹر طیب منیر [مرتب]: پورب اکادمی، اسلام آباد: ۲۰۰۷ء
دل دریا سمندروں ڈونگھے: ڈاکٹر انعام الحق جاوید و امجد بھٹی [مترجمین]: رومیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، راولپنڈی: جون ۲۰۰۶ء
ڈاکٹر غلام جیلانی برق کے خطوط: عبدالعزیز ساحر [مرتب]: حسنین پبلی کیشنز، لاہور: ۱۹۹۹ء
رموزِ غالب: ڈاکٹر گیان چند جین: ادارہ یادگار غالب، کراچی: ۱۹۹۹ء
سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات: خلیق احمد نظامی: نگارشات، لاہور: ۱۹۹۰ء
سلام و پیام [جلد دوم]: داؤد رہبر: سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور: ۲۰۰۴ء
سلومی: عبدالعزیز خالد: شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور: بارسوم جولائی ۱۹۷۳ء
شرحِ غزلیاتِ غالب: صوفی غلام مصطفیٰ تبسم [مترجم]: پیکیجز، لاہور: س ن
ضربِ کلیم: علامہ محمد اقبال: شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور: طبع جنوری ۱۹۷۶ء
عبدہ: عبدالعزیز خالد: نعت اکادمی، فیصل آباد: باراول جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ
عکسِ رخِ یار: شاکر القادری: محفلِ شعر و ادب، اٹک: ۱۹۹۱ء
غزل بے شرط: ساقی فاروقی: اکادمی بازیافت، کراچی: ۲۰۰۴ء
فرہنگِ تلفظ: شان الحق حقی: مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد: ۲۰۰۲ء

فوائد الفواد: حسن علاء سجزی [جامع]، حسن نظامی ثانی [مترجم]: اردو اکادمی دہلی: ۱۹۹۰ء

کتاب القلم: عبدالعزیز خالد: خالد اکیڈمی، لاہور: بار اول ۱۹۹۰ء

کجد اردمریز: عبدالعزیز خالد: سرمد اکادمی، اٹک: بار اول مئی ۲۰۰۷ء

کلیاتِ سودا [جلد اول]: ڈاکٹر محمد شمس الدین صدیقی [مرتب]: مجلس ترقی ادب، لاہور: بار دوم ۱۹۹۲ء

کلیاتِ میر [دیوان اول۔ جلد اول]: کلب علی خاں [مرتب]: مجلس ترقی ادب، لاہور: بار دوم ۱۹۸۶ء

محیط: احمد ندیم قاسمی: التحریر، لاہور: اکتوبر ۱۹۹۱ء

مرقع ادب [حصہ دوم]: صفدر مرزا پوری [مرتب]: دارالاشاعت صدیق بک ڈپو، لکھنو: س ن

مظفرِ پاکستان: محمد حنیف شاہد: سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور: ۱۹۸۲ء

مکاتیب احسن [جلد اول]: ڈاکٹر عنوان چشتی و صغیر احسنی جلال آبادی [مرتبین]: اردو سماج، نئی دہلی: ستمبر ۱۹۷۷ء

نقش ہائے رنگ رنگ: ڈاکٹر ظہیر صدیقی [مترجم]: شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی، دہلی: بار اول ۱۹۷۰ء

نقوشِ مہر: حضور امام کاظمی [مرتب]: اظہار سنز، لاہور: بار اول ۲۰۰۸ء

اخبارات:

روزنامہ جنگ، لاہور: ۹۔ جولائی ۱۹۹۹ء

روزنامہ نوائے وقت، اسلام آباد: ۳۰ نومبر ۲۰۰۴ء

جرائد:

ہفت روزہ خدام الدین، لاہور: ۲۸۔ جولائی ۱۹۸۹ء

الاقرباء، اسلام آباد: جنوری تا مارچ ۲۰۰۸ء

ماہنامہ الحمرا، لاہور: فروری ۲۰۰۴ء

امتزاج مجلہ شعبۂ اردو، کراچی یونیورسٹی، کراچی: شمارہ ۱: جنوری تا جون ۲۰۱۴ء

ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور: جولائی ۱۹۹۱ء

تحقیق: مجلہ سندھ یونیورسٹی، جامشورو، حیدرآباد: شمارہ ۱۵: ۲۰۰۷ء

ماہنامہ روزن انٹرنیشنل [امرتا پریتم نمبر]، گجرات: اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۶ء

ماہنامہ صریر، کراچی: جون جولائی ۱۹۹۹ء

فردا [غالب نمبر]: مجلہ گورنمنٹ کالج، مری: ۱۹۹۷ء

لب جو [عبدالعزیز خالد نمبر]: مجلہ گورنمنٹ اسلامیہ ڈگری کالج، سانگلہ ہل: ۲۰۱۱ء

ماہ نامہ ماہِ نو، لاہور: ستمبر ۲۰۰۱ء

نقوش [مکاتیب نمبر۔ جلد اول] ۱، لاہور: شمارہ ۶۵: نومبر ۱۹۵۷ء

سہ ماہی نئی عبارت [ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نمبر]، حیدر آباد: جولائی تا دسمبر ۱۹۹۸ء

مقالات:

اثر اللغۃ العربیۃ الاسلامیۃ فی شعر عبدالعزیز خالد: شازیہ صدیق، نگران ڈاکٹر حبیب الرحمن عاصم [مقالہ برائے ایم ایس عربی]: انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد: ۲۰۰۹ء

علی عباس جلالپوری کی اقبال کا علم کلام کا تنقیدی جائزہ: سیدہ عظمیٰ گیلانی: مقالہ برائے ایم فل اقبالیات: شعبہ اقبالیات، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد: ۲۰۰۳ء

:Websites

عفت موہانی کے حوالے سے مختلف Websites سے استفادہ

شریف کنجاہی کے حوالے سے مختلف Websites سے استفادہ

اشاریہ

اشخاص:

ثوبیہ:۵۳،۱۱۰

کتب:

اخبارات اور جرائد:

اماکن:

ادارے:

مرتب کی دیگر مطبوعہ کتابیں

جمیل الدین عالی کی نثر نگاری : پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، لاہور: اکتوبر ۱۹۹۳ء: ۱۵۲ص

خونابۂ دل [ترتیب بہ اشتراک]: پنجابی ادبی سنگت، اٹک: ۱۹۹۶ء: ۱۱۲ص

ڈاکٹر غلام جیلانی برق کے خطوط : حسنین پبلی کیشنز، لاہور: ۱۹۹۹ء: ۲۴۰ص

ادبِ عالیہ [ترتیب بہ اشتراک]: شعبۂ اردو علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد: ۲۵۹ص

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی۔ سوانح اور کتابیات : پنجابی ادبی سنگت، اٹک: دسمبر ۲۰۰۵ء: ۱۲۶ص

تدریسِ ادب [ترتیب بہ اشتراک]: شعبۂ اردو علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی: اسلام آباد:

ڈاکٹر جمیل جالبی۔ شخصیت اور فن : اکادمی ادبیاتِ پاکستان، اسلام آباد: ۲۰۰۷ء: ۱۲۰ص ر

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی: ۲۰۰۸ء: ۱۲۰ص

افتخار عارف۔ شخصیت اور فن : اکادمی ادبیاتِ پاکستان، اسلام آباد: ۲۰۰۹ء: ۲۲۸ص

خیر الاذکار فی مناقب الابرار : قلمکار بیٹھک، واہ کینٹ: ۲۰۱۰ء: ۱۴۱ص

بارہ ماہیہ نجم : الفتح پبلی کیشنز، راولپنڈی: ۲۰۱۲ء: ۱۲۰ص

محرابِ تحقیق : ادارۂ یادگارِ غالب، کراچی: ۲۰۱۲ء: ۱۷۶ص

مقتل سرائے [علی حسن رضا کی ۶۷ انگریزی نظموں کا اردو ترجمہ بہ اشتراک]: ادارۂ یادگارِ غالب،

کراچی: ۲۰۱۵ء: ۱۵۶ص

سید انیس شاہ جیلانی کے خطوط : ادارہ فروغِ معارفِ نظامیہ، اسلام آباد: دسمبر ۲۰۱۵ء: ۱۶۰ص

انتخابِ کلامِ اصغر گونڈوی : اوکسفرڈ پریس، کراچی: ۲۰۱۶ء: ۶۴ص

مجالسِ کلیمی : ادارہ فروغِ معارفِ نظامیہ، اسلام آباد: ۲۰۱۶ء: ۸۰ص

ادارۂ یادگارِ غالب کی تازہ مطبوعات